

مَنَاسِكُ وَتَحَرُّاتُ الرُّسُلِ وَالْمُؤْمِنِينَ

کتاب نمبر
۰۴

۰۴

نمبر ۱۳۳۰ھ فروری ۲۰۰۹ء

السنة

مدیر

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عالم الغیب کون؟

تشہد میں بے وضو ہو جائے تو۔۔۔۔۔

بچے کے پیشاب پر چھینے کافی ہیں

کیا روز قیامت ماں کے نام سے پکارا جائے گا؟

سجدہ سہو کے طریقے

نکاح حلالہ زنا ہے

راز شخص و تحقیق، جہلم، پاکستان



www.AhleSunnatPk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت کون؟ حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ (۲۸۷م) فرماتے ہیں:

”مجھ سے سوال ہوا ہے کہ سنت کیا ہے؟ سنت ایک جامع نام ہے، جو بہت سے معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہ معانی جو اہل علم نے بالاتفاق سنت کے کیے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱☆ تقدیر کا اثبات ۲☆ فعل کی استطاعت فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے ۳☆ اچھی بری تقدیر پر ایمان ۴☆ ہر مطیع کی اطاعت توفیق الہی کی مرہون منت ہے اور ہر گناہ گار کی معصیت اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے ۵☆ نیک بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیر الہی میں) خوش بختی مل گئی ہے اور بد بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیر الہی میں) بد بختی مل گئی ہے ۶☆ کائنات کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے خارج نہیں ۷☆ بندوں کے اچھے اور برے کام ان کے فعل ہیں اور خالق کائنات کی مخلوق ہیں ۸☆ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی کلام ہے، مخلوق نہیں، جو دلیل مل جانے کے بعد بھی اسے مخلوق سمجھے، وہ کافر ہے۔ ۹☆ ایمان (زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) عمل کا نام ہے، اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ ۱۰☆ اللہ تعالیٰ کی رویت کا اثبات کہ مؤمن آخرت میں حقیقی طور پر اسے دیکھ سکیں گے، جیسا کہ احادیث میں بیان ہے۔ ۱۱☆ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے افضل ہیں، خلیفہ راشد ہیں اور صحابہ کرام میں سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، اسی طرح ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ہے، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں ۱۲☆ عذاب قبر ۱۳☆ منکر نکیر ۱۴☆ شفاعت ۱۵☆ حوض کوثر اور ۱۶☆ میزان (ان سب چیزوں کو برحق سمجھنا اور ان پر ایمان لانا)۔ ۱۷☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت، ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف اور ان کی ذات و خلافت پر طعن و تشنیع سے اجتناب۔ ۱۸☆ فوت ہونے والے موحدین کا جنازہ۔ ۱۹☆ گناہ گار موحدین کے لیے دعائے رحمت اور ان کی بخشش کی امید۔ ۲۰☆ وعید کو چھوڑ کر بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

(السنة لابن ابی عاصم: ۱۰۲۷-۱۰۳۲)

☆☆.....☆☆.....☆☆

عالم الغیب کون؟ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، یہ اہل سنت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے، جیسا کہ امام اہل سنت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴-۷۷۱) لکھتے ہیں:

واللہ سبحانہ وتعالیٰ یعلم ما کان وما یکون وما لم یکن ، لو کان کیف یکون ، وهذا مجمع علیہ عند أهل السنّة والجماعة .

”اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ جو ہو گیا، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا، اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا، اس کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۴۲/۵، سورة العنکبوت، تحت آية: ۳)

☆۱ ﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ (یونس: ۲۰) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ غیب اللہ کا خاصہ ہے۔“

☆۲ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (النمل: ۶۷)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ زمین و آسمان میں سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔“

حافظ ابن کثیر اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

يقول تعالى أمرًا رسولہ صلى الله عليه وسلم أن يقول معلّمًا لجميع الخلائق: أنه لا يعلم أحد من أهل السماوات والأرض الغيب، وقوله (إلا الله) استثناء منقطع، أي: لا يعلم أحد ذلك إلا الله عز وجل، فإنه منفرد بذلك وحده، لا شريك له، كما قال ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹)

”اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تمام مخلوقات کو (عقیدہ) سکھاتے ہوئے یہ فرما دیں کہ آسمان و زمین کا کوئی فرد بھی غیب نہیں جانتا، الا اللہ کے لفظ سے استثناء منقطع واقع ہوا ہے، یعنی غیب کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، وہ اس صفت میں کیٹا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹) (اسی کے پاس غیب کے

خزانے ہیں، جن کو صرف وہی جانتا ہے)۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۶۸۰/۴)

☆۳ ﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (النحل: ۷۷) ”اور اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کا غیب ہے۔“

☆۴ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹)

”اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، ان کو صرف وہی جانتا ہے۔“

☆۵ ﴿لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصَرُ بِهِ وَاَسْمِعُ﴾ (الکہف: ۲۶)

”اسی کے لیے آسمان و زمین کا غیب ہے، وہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والا ہے!“

☆۶ ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْثُرْتُ

مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنٰى السَّوْءِ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف: ۷۸)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے، میں اپنی جان کے لیے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے نقصان پہنچتا ہی نہ، میں تو صرف ایمان لانے والے لوگوں کو ڈرانے اور خوشخبری دینے والا ہوں۔“

اس آیت کریمہ کی تشریح میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

أمره الله تعالى أن يفوض الأمور إليه ، وأن يخبر عن نفسه أنه لا يعلم الغيب المستقبل ، ولا اطلاع له على شيء من ذلك إلا بما أطلعه الله عليه .

”اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے تمام تر معاملات اللہ کے سپرد کر دیں اور اپنے بارے میں یہ خبر دیں کہ وہ غیب دان نہیں، نہ ہی کسی چیز پر مطلع ہیں، سوائے اس کے کہ اللہ نے آپ کو اس پر مطلع کر دیا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۲۴۹/۳)

☆۷ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ

وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الحقاف: ۹)

”(اے نبی!) کہہ دیں، میں کوئی نیا رسول نہیں، نہ ہی میں جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں، جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، نیز میں صرف واضح ڈرانے والا ہوں۔“

مسئلہ علم غیب احادیث کی روشنی میں

☆۱ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

ومن حدثك أنه يعلم الغيب فقد كذب وهو يقول : لا يعلم الغيب إلا الله .

”جو آپ کو بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود

فرماتے ہیں کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

(صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۹۸، ح: ۷۳۸۰، صحیح مسلم: ۱/ ۹۸، ح: ۱۷۷)

سبحان اللہ! بھائیو اور بہنو! ذرا غور کرو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب خیال کرنے والے کو جھوٹا قرار دے رہی ہیں، قرآن کریم کی آیت کریمہ سے ثابت کر رہی ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے، یاد رہے کہ اللہ کی صفت مخلوق میں ماننا شرک ہے، اپنا عقیدہ بنالیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں تھے، وحی کے ذریعہ سے آپ کو بتایا جاتا تھا، وحی کے بغیر آپ کچھ نہیں جانتے تھے۔

☆۲ سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بچی نے کہا: وفینا نسی یعلم ما فی غد (ہمارے ہاں وہ نبی تشریف فرما ہیں، جو جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقولی ہکذا۔ ”ایسی بات مت کہو۔“ (صحیح بخاری: ۲/ ۵۷۰، ح: ۴۰۱)

سنن ابن ماجہ (۱۸۹۷، وسندہ صحیح) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کو فرمایا:

ما یعلم ما فی غد الا اللہ۔ ”کل کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔“

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

واللہ ما أدری وأنا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم۔

”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے

ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۳۹، ح: ۷۰۱۷)

☆۳ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، جب

ہم بیدار یا ذات الحیش (یہ دونوں جگہ کے نام ہیں) میں تھے تو میرا ہار ٹوٹ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسے تلاش کرنے کے لیے پڑاؤ کیا، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑاؤ کر لیا اور وہ پانی کے پاس نہ تھے، لوگوں

نے ابو بکر صدیق کے پاس آ کر کہا، کیا آپ نہیں دیکھتے جو عائشہ نے کیا ہے؟ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم اور لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے، نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے، ابو بکر آئے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم میری ران پر سر مبارک رکھ کر سوچکے تھے، ابو بکر نے کہا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو

روک لیا ہے، نہ وہ پانی کے پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے، سیدہ عائشہ نے کہا کہ مجھے ابو بکر صدیق نے

ڈانٹا اور جو اللہ کو منظور تھا کہا اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں کچو کے مارنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میری ران پر ہونے نے مجھے ہلنے سے روک رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے بغیر صبح کو بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، پھر لوگوں نے تیمم کیا، اسید بن حضیر نے کہا، اے آل ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ آپ کی وجہ سے امت کو بے شمار برکتیں ملی ہیں)، سیدہ عائشہ نے کہا، پھر ہم نے وہ اونٹ اٹھایا، جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہمارا اس کے نیچے سے پالیا۔“

(صحیح بخاری: ۱/ ۴۸، ح: ۳۳۴، صحیح مسلم: ۱/ ۱۶۰، ح: ۳۶۷)

یہ حدیث بھی علم غیب کی نفی پر دلیل ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہونے کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو رکنا پڑا، اسی پریشانی میں صبح کی، پانی وضو کے لیے تو درکنار پینے کے لیے بھی نہ تھا، اللہ رب العزت نے تیمم کی آیات نازل فرمادیں، کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہار کہاں ہے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے، بالآخر اونٹ اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار برآمد ہوا، کیا کوئی اس کے باوجود بھی کہہ سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان تھے؟

☆ ۳۲ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی نعلیہ ، فصل الناس فی نعالہم ، ثم ألقى نعلیہ ، فألقى الناس نعالہم وهم فی الصلوة ، فلما قضی صلوتہ قال : ما حملکم علی القاء نعالکم فی الصلوة ؟ قالوا : یا رسول اللہ ! رأیناک فعلت ففعلنا ، فقال : ان جبریل أخبرنی ان فیہما أذى ، فاذا أتى أحدکم المسجد ، فلينظر ، فان رأى فی نعلیہ أذى ، فليخلعهما ، وآلا فليصل فیہما .

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتوں میں نماز پڑھائی، لوگوں نے بھی اپنے جوتوں میں نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوران نماز ہی) اپنے جوتے اتار دیئے، لوگوں نے بھی نماز میں اپنے جوتے اتار دیئے، جب آپ نے نماز مکمل کی تو فرمایا، تمہیں نماز میں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا؟ صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو کر لیا، آپ نے فرمایا، بے شک جبریل نے مجھے بتایا تھا کہ ان جوتوں میں گندگی ہے، جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو دیکھے، اگر ان میں گندگی دیکھے تو اتار دے، ورنہ ان میں ہی نماز پڑھ لیا کرے۔“

(مسند الطیالسی: ص ۲۸۶، مسند الامام احمد: ۳/ ۲۰، سنن ابی داؤد: ۶۵۰، مسند عبد بن حمید: ۸۸۰، مسند ابی یعلیٰ)

۱۱۹۴: السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۴۰۶، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۰۱۷) اور امام ابن حبان (۲۸۵) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ حاکم

(۲۶۰/ ۱) نے اس کو امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ نووی نے بھی اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام: ۱/ ۳۱۹)

قارئین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا جوتا نجاست آلودہ ہے، جبریل کے بتانے پر اتارا، یہ حدیث پاک آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہے۔

☆۵ بریدہ سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنْزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۴)

”پانچ چیزوں کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، (پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنْزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۴) (بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ مادہ کے رحموں میں ہے اور نہیں جانتی کوئی جان کیا وہ کل کو کمائے گی اور نہ جانتی ہے کوئی جان کہ کس جگہ اسے موت آئے گی، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے)۔“ (مسند الامام احمد: ۵/ ۳۵۳، وسندہ حسن)

حافظ بیہمی لکھتے ہیں: رجال أحمد رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۷/ ۸۹-۹۰)

حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (الدر المنثور: ۶/ ۵۳۷) یہ دلیل عدم غیب پر برہان عظیم ہے۔

☆۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے بعد گھر تشریف لائے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی (دروازے پر) آئی، ملاقات کی اجازت مانگ رہی تھی، کہا گیا، اے اللہ کے رسول! یہ زینب ہے، آپ نے فرمایا، ائی الزیناب؟ کون سی زینب؟ کہا گیا، عبداللہ بن مسعود کی بیوی، فرمایا، ہاں، اسے اندر آنے دو! (صحیح بخاری: ۱/ ۱۹۷، ح: ۱۴۶۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ دروازے پر کون ہے، یہ علم غیب کی نفی پر زبردست دلیل ہے۔

☆۷ عن محمود بن لبید عن رجال من بنی عبد الأشهل قالوا: فقال زيد بن اللصيت وهو فی رحل عمارة، وعمارة عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أليس محمد يزعم أنه نبي؟ ويخبركم عن خبر السماء، وهو لا يدري أين ناقتة؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وعسارة عنده أن رجلا قال : هذا محمد يخبركم أنه نبيّ ويزعم أنه يخبركم بأمر السماء وهو لا يدري أين ناقته ؟ وأنّى واللّه ما أعلم ما علمنى اللّه وقد دلّنى اللّه عليها ، وهى فى الوادى فى الشعب كذا وكذا ، قد حبسها شجرة بزمامها ، فانطلقوا حتى تأتونى بها ، فذهبوا ، فجاءوا بها .

”محمود بن لبید بن عبد الاشہل کے لوگوں سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، زید بن اللصیت نے کہا، وہ عمارہ کی رہائش گاہ پر تھا اور عمارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبکہ عمارہ آپ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کہا، یہ محمد تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ نبی ہے اور کہتا ہے کہ وہ تمہیں آسمان کی خبر دیتا ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اللہ کی قسم! میرے پاس وہی علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے اور اس اونٹنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی دے دی ہے کہ وہ فلاں وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے، اس کی لگام درخت کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جاؤ، اسے میرے پاس لے آؤ! وہ اسے لے کر آگئے۔“ (المغازی لابن اسحاق کما فی السیرۃ لابن ہشام: ۲/ ۵۲۳، وسندہ حسن، وابن اسحاق وثقہ الجمهور)

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب نہیں تھا، بلکہ آپ اللہ کی وحی سے معلوم کر لیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (ہود: ۴۹)

”یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں، جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ ان کو جانتے تھے نہ آپ کے قوم کے لوگ۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کے متعلق جو باتیں اور پیشین گوئیاں کی ہیں، وہ اللہ کی وحی سے کی ہیں، جیسا کہ آپ نے غزوہ بدر کے موقع پر مختلف جگہوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا کہ کل اس جگہ فلاں کافر اور اس جگہ فلاں کافر قتل ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۲/۲، ح: ۱۷۷۹)

یہ بات آپ نے علم یعنی وحی سے بتائی۔

☆۸ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما أدرى تبع العینا کان أم لا ؟ وما أدرى ذا القرنین أنبیاً کان أم لا ؟ وما أدری الحدود

کفارات لأهلها أم لا ؟

”میں نہیں جانتا کہ تبع (قوم سبا کا سردار) لعین تھا یا نہیں، میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں، نیز حدود لوگوں کے لیے کفارہ بنتی ہیں یا نہیں؟“

(سنن ابی داؤد: ۴۶۷۴، البزار (کشف: ۱۵۴۳)، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۸، ۳۲۹/۱، واللفظ له، وسندہ صحیح)

امام حاکم کہتے ہیں: ”ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولا أعلم له علة.“

”یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے، مجھے اس میں کوئی علت معلوم نہیں۔“ (۱/ ۲۰۳۶، ۱۷)

حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں: ”سندہ صحیح ولا نعلم له علة“ (المحلی: ۱۳/ ۱۴)، حافظ بیہقی کہتے ہیں: ”رجاله رجال الصّحیح“ (مجمع الزوائد: ۶/ ۲۶۵) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”صحیح علی شرط الشیخین“ (فتح الباری: ۱/ ۷۷)، ابن ترکمانی خفی کہتے ہیں: ”سندہ صحیح“ (الجوہر النقی: ۳۲۹/۸)

یہ حدیث اس بات پر بین دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا، ان میں سے بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو بتادی تھیں۔

☆ ۹ عن عائشة أنّ يهودية كانت تخدمها ، فلا تضع عائشة اليها شيئا من المعروف الا قالت لها اليهودية : وراك الله عذاب القبر ، قالت : فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم عليّ ، فقلت : يا رسول الله ! هل للقبر عذاب قبل يوم القيامة ؟ قال : لا ، وعمّ ذلك ، قالت : هذه اليهودية لا تضع اليها من المعروف شيئا الا قالت : وراك الله عذاب القبر ، قال : كذبت اليهود ، وهم على الله عز وجل كذب ، لا عذاب دون يوم القيامة ، قالت : ثم مكث بعد ذلك ما شاء الله أن يمكث ، فخرج ذات يوم نصف النهار مشتملا بثوبه محمّرة عينا وهوينادي بأعلى صوته : أيها الناس ! أظلتكم الفتن كقطع الليل المظلم ، أيها الناس ! لو تعلمون ما أعلم لبكيتم كثيرا وضحكتكم قليلا ، أيها الناس ! استعيذوا بالله من عذاب القبر ، فإن عذاب القبر حقّ .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت کرتی تھی، جب بھی عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے کوئی نیکی کرتیں تو وہ کہتی، اللہ آپ کو عذاب قبر سے بچائے! ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا قیامت سے پہلے قبر کا کوئی عذاب ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں، کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی، یہ یہودی عورت جب بھی میں اس سے کوئی نیکی کرتی ہوں تو کہتی ہے، اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے! آپ نے فرمایا، یہودی جھوٹے ہیں، یہ اللہ پر جھوٹ

بولتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا، آپ ٹھہرے رہے، پھر ایک دن دوپہر کے وقت کپڑے لپیٹے ہوئے آپ باہر نکلے، آپ کی آنکھیں سرخ تھیں، با آواز بلند فرما رہے تھے، اے لوگو! تمہیں رات کی تاریکی کی طرح فتنوں نے گھیر لیا ہے، اے لوگو! اگر تمہارے پاس وہ علم آجائے، جو میرے پاس ہے تو تم زیادہ روئے اور کم ہنسنے لگو، اے لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ پکڑو، کیونکہ عذابِ قبر بحق ہے۔“ (مسند الامام احمد: ۶/۸۷، وسندہ صحیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر کا علم نہ تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی آگاہی دی، یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ آپ ”ماکان وما یکون“ کا علم نہیں رکھتے تھے۔

☆۱۰ سیدنا سلمہ بن اکوع کہتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبة حمراء اذا جاءہ رجل علی فرس عقوق یتبعھا مہرہ، فقال: من أنت؟ قال: أنا رسول اللہ، قال: متى الساعة؟ قال: غیب، ولا یعلم الغیب الا اللہ، قال: فما فی بطن فرسی؟ قال: غیب، ولا یعلم الغیب الا اللہ، قال: فأعطني سیفک، قال: ها، فأخذه، فسله، ثم هزه، فقال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لن تستطیع الذای أردت، ثم قال: ان هذا أقبل، فقال: آتیہ، فأسأله، ثم أخذ سیفی، فأقتله، فغمد السیف.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرخ رنگ کے شامیانے میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا، جو حاملہ اونٹنی پر سوار تھا اور اس کا پچھڑا اس کے پیچھے چل رہا تھا، اس نے (آتے ہی) کہا، آپ کون ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، کہا، قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ ہی جانتا ہے، کہنے لگا، میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ فرمایا، یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ ہی جانتا ہے، کہا، مجھے اپنی تلوار دیں، فرمایا، پکڑو، اس تلوار کو میان سے نکال کر لہرایا، آپ نے فرمایا، تم جو چاہتے ہو، اسے کر گزرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، پھر فرمایا، یہ شخص اس ارادہ سے آیا تھا کہ میں آپ کے پاس جاؤں گا، سوال کروں گا، پھر (موقع پاکر) تلوار سے ان کا کام تمام کر دوں گا، پھر اس نے تلوار میان میں ڈال دی۔“

(المستدرک للحاکم: ۱/۸۰ المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸۷/۱ والسیاق لہ: ۱۱۴۸/۱ وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام حاکم نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے اس کو امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

حافظ بیہمی کہتے ہیں: رجالہ رجال الصّحیح. (مجمع الزوائد: ۸/۲۲۷)

تشہد کے بعد بے وضو ہو جائے تو!!! غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کا اختتام سلام سے کرتے تھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے
روایت ہے:

وكان يختم الصلوة بالتسليم. ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سلام کے ساتھ ختم کرتے تھے۔“
(صحیح مسلم: ۱/۱۹۴، ح: ۴۹۸)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كنت أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره حتى أرى بياض خده
”میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا، یہاں تک کہ

میں آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۱۶، ح: ۵۸۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی یوں رہنمائی فرمائی:

ثم يسلم على أخيه من على يمينه وشماله.

”پھر وہ (نمازی تشہد کے بعد) اپنے دائیں اور بائیں (نمازی) بھائی پر سلام کہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۳۱)

یہ اور ان جیسی دوسری احادیث مبارکہ کے خلاف آل تقلیدیوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

وان سبقه الحدث بعد التشهد توضاً وسلم ، فان تعمّد الحدث في هذه الحالة أو تكلم أو
عمل عملاً ينافي الصلوة تمت صلواته.

”اگر کسی (نمازی) کی تشہد کے بعد غیر دانستہ طور پر ہوا خارج ہو گئی تو وضو کرے گا اور سلام پھیرے گا، اگر

جان بوجھ کر ہوا خارج کر دی یا نماز کے منافی کوئی کام کر دیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔“

(القدوری: باب الجماعة ۴، ص: ۲۰، الهدایة: باب الحدث في الصلوة ۱۰، ۳۷)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی کہتے ہیں:

”جمہور کے نزدیک نماز سے خروج فقط السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور امام (ابو حنیفہ)

صاحب کے نزدیک اگر کوئی شخص تشہد اخیر کے بعد قصداً حدث (جان بوجھ کر ہوا خارج) کر دے یا اور کوئی

فعل منافی الصلوة کر دے تو بھی نماز سے خارج ہو جائے گا۔“ (تقریر ترمذی از تھانوی: ۶۲)

مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اگر تشہد کے بعد سہواً ہوا خارج ہو جائے تو وضو کرے گا، پھر اس پر بنیاد ڈال کر مکمل کرے گا، یعنی سلام کے ساتھ نماز سے خارج ہوگا، لیکن اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد ہوا خارج کر دی تو سلام کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، نماز مکمل ہے۔

قارئین! انصاف شرط ہے، یہ حدیث کا اتباع ہے یا اس کی مخالفت؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ فرق شریعتِ مطہرہ کی کسی دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے سلام کے علاوہ نماز سے خارج ہونا قطعاً ثابت نہیں، یہ نماز جو دین اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کے ساتھ سنگین مذاق ہے، یہ جرم ہے، بلکہ جرمِ عظیم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا فسا أحدكم في الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة .

”تم میں سے کوئی جب نماز میں پھسکی لگائے تو وہ لوٹ کر وضو کرے اور اپنی نماز لوٹائے۔“

(سنن ابی داؤد: ۱۰۵۰۲۵، سنن ترمذی: ۱۰۶۴-۱۰۶۶، سنن دارمی: ۱/۲۶۱، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن“ اور امام ابن حبان (۲۲۳۷) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

اس کے راوی مسلم بن سلام الحنفی کو امام ابن حبان، امام ابن شاپین نے ”ثقة“ قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس کی حدیث کی تحسین کر کے اسے ”ثقة“ قرار دیا ہے، ایسے راوی کی حدیث ”حسن“ درجہ سے کم نہیں ہوتی۔ یہ حدیث واضح بتا دیتی ہے کہ جو شخص نماز میں بے وضو ہو جائے، وہ نماز دہرائے گا، نہ کہ وضو کر کے پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالے گا، محدثین کرام اس حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ مقلدین کے دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں:

دلیل نمبر ۱:

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا أحدث ، یعنی الرجل ، وقد جلس في آخر صلواته قبل أن يسلم فقد جازت صلواته .

”جب آدمی آخری تشہد میں بیٹھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز ہو گئی۔“

(سنن ابی داؤد: ۶۱۷، سنن ترمذی: ۴۰۸، واللفظ لہ: سنن دارقطنی: ۱/۳۷۹، السنن الکبریٰ

للبيهقي: ۱۷۶/۲، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۲۷۴)

تبصرہ: یہ روایت ”ضعیف“ ہے۔

اس حدیث کے بارے میں:

☆۱ حافظ نووی (۶۳۱-۶۷۶) لکھتے ہیں:

ضعیف بالاتفاق و ضَعْفُهُ مشهورٌ فی کتبہم .

”یہ حدیث حفاظ (محدثین) کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے، ان (محدثین) کی کتابوں میں اس کا

ضعیف ہونا مشہور ہے۔“ (المجموع: ۴۲۵/۳)

☆۲ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فقد ضَعْفَهُ الحفاظ .

”یقیناً حفاظ (محدثین) نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (فتح الباری: ۲/۳۳۳)

☆۳ امام ترمذی فرماتے ہیں: هذا الحديث اسنادہ ليس بذاك القوى .

”اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔“ (جامع ترمذی تحت حدیث: ۴۰۸)

☆۴ امام بیہقی لکھتے ہیں: لا يصح . ”یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔“

☆۵ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: هذا الحديث لا يصح لضعف اسنادہ واختلافہم فی لفظہ .

”یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے اور راوی اس کے الفاظ بیان کرنے میں مختلف ہیں۔“

(التمہید لابن عبد البر: ۱۰/۲۱۴)

☆۶ حافظ خطابی فرماتے ہیں: هذا الحديث ضعيف وقد تكلم الناس في بعض نقلته وقد

عارضته الأحاديث التي فيها ايجاب التّشہد والتّسليم .

”یہ حدیث ضعیف ہے، لوگوں نے اس کے بعض راویوں پر کلام کی ہے، پھر وہ احادیث بھی اس کے

معارض و مخالف ہیں، جو تشہد اور سلام کے وجوب پر دلالت کناں ہیں۔“ (معالم السنن: ۱/۱۴۰)

اس کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن زیاد بن النعمان الافریقی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کو امام احمد

بن حنبل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام یحییٰ بن معین، امام ابو زرعہ الرازی، امام نسائی، امام عبدالرحمن بن

مہدی، امام بخاری (الضعفاء: ص ۷۰)، امام یعقوب بن شیبہ، امام دارقطنی، امام ساجی، امام ابن حبان، امام ابن

عدی، امام جوزجانی، امام البزار، امام ابن خزیمہ، امام ابوالاحد الحاکم، امام ابن القطان الفاسی (الوہم والایہام:

۱۴۹/۲)، حافظ ذہبی (تلخیص المستدرک: ۳۹۹/۴) وغیرہم نے ”مجروح“ اور ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ نووی فرماتے ہیں: ضعيف بالاتفاق . ”یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔“

(خلاصة الاحکام: ۱/۴۴۹، المجموع: ۳/۴۰۷)

حافظ عراقی (۷۲۵-۸۰۶) فرماتے ہیں: **ضعفہ الجمهور**. ”اسے جمهور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(المعنی عن حمل الاسفار فی الاسفار)

حافظ ہیثمی (۸۰۷م) فرماتے ہیں: **والجمهور علی تضعیفہ**. ”جمهور اس کو ضعیف کہتے ہیں۔“

(مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۵۰)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **ضعیف فی حفظہ**. (تقریب التہذیب: ۲۸۶۲)

تنبیہ ۱:

جناب محمد تقی عثمانی حیاتی دیوبندی کہتے ہیں:

” (اس) حدیث باب کو امام ترمذی نے عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک مختلف فیہ (حسن الحدیث - غم) راوی ہیں، جہاں بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے، وہیں بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے، لہذا یہ حدیث کم از کم ”حسن“ ضرور ہے۔“

(درس ترمذی از تقی: ۱۸۴/ ۲)

ایک دوسرے مقام پر اسی راوی کے بارے میں تقی صاحب کہتے ہیں:

”رشدین بن سعد اور عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی واضح طور پر ضعیف ہیں۔“

(درس ترمذی از تقی: ۱/ ۲۶۰)

انصاف کو تقی عثمانی صاحب سے شکایت ہے کہ وہ اس کا ساتھ نہیں دیتے، ایک ہی راوی اپنے مطلب کی بیان کرے تو وہ مختلف فیہ (حسن الحدیث) اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے، وہی اپنے مطلب کے خلاف بیان کرے تو ”واضح طور پر ضعیف“ ہو جاتا ہے۔

تنبیہ ۲:

جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی نے نصب الراية (۶۳/ ۲) کے حوالے سے لکھا ہے کہ جعفر بن عون نے عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی کی متابعت کی ہے۔

(معارف السنن از بنوری: ۴/ ۴۳۴، نیز دیکھیں احقاق الحق از کوثری: ۳۴)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت امام زیلعی حنفی کا وہم ہے، اگرچہ امام عینی حنفی نے بھی زیلعی کی تقلید کی ہے۔

(دیکھیں شرح سنن ابی داؤد از عینی حنفی: ۱۳۹/۳، ح: ۵۹۸)

جعفر بن عون کہتے ہیں: ”حدثنی عبدالرحمن بن رافع وبکر بن سوادۃ“ جعفر بن عون ۱۲۰ ہجری

میں پیدا ہوئے اور عبدالرحمن بن رافع ۱۳۳ ہجری میں فوت ہوئے، بکر بن سوادہ ۱۲۸ ہجری میں اندلس

میں فوت ہوئے، اب بتائیں کہ جعفر بن عون ”حدیثی“ کیسے کہہ سکتے ہیں، اس پر سہاگہ یہ کہ ان دونوں کو جعفر بن عون کے استاذوں میں ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ محدثین نے ان کو عبد الرحمن بن زیاد بن النعم کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے، جو زیلعی کی سند سے ساقط ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو زوائد اسحاق بن راہویہ میں بھی ذکر نہیں کیا، ثابت ہوا کہ مسند اسحاق بن راہویہ کی سند سے عبد الرحمن بن زیاد فریق گریا ہے اور اس روایت کا دار و مدار اسی پر ہے، جو کہ جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، لہذا یہ کہنا کہ عبد الرحمن بن زیاد کی متابعت جعفر بن عون نے کی ہے، سراسر جہالت اور دھوکا دہی ہے، جو بے تنگی اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں خود بخود ہوا خارج ہونے اور جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے کا فرق بالکل موجود نہیں ہے، جو کہ احناف کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّجْهٍ وَقَالَ : مَنْ أَحْدَثَ حَدَّثًا بَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنَ التَّشَهُّدِ فَقَدْ تَمَتَّ صَلَوَتُهُ .

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے، جو شخص تشہد سے فارغ ہونے کے بعد بے وضو ہو گیا، اس کی نماز مکمل ہو گئی۔“ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۱۱۷/۵)

تبصرہ :

☆ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، اس کے راوی صالح بن احمد بن مقاتل کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں: کَذَابٌ دَجَالٌ ، یَحْدِثُ بِمَا لَمْ یَسْمَعْه .
”یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور دجال ہے، یہ ان سنی روایات بیان کرتا تھا۔“

(لسان المیزان لابن حجر: ۱۶۵/۳ وفی نسخة ۳ / ۵۲۷)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ”متروک“ راوی ہے۔ (سوالات الحاکم: ۱۱۳)

امام ابن عدی فرماتے ہیں: یسرق الحدیث ویلْزق الأحادیث .

”یہ حدیث چوری کرتا تھا اور مختلف احادیث کو آپس میں ملا دیتا تھا۔“ (الکامل لابن عدی: ۴ / ۷۳)

امام برقانی فرماتے ہیں کہ یہ ”ذہاب الحدیث“ ہے۔ (لسان المیزان: ۳/۱۶۵)

☆۲ اس روایت کے دوسرے راوی یحییٰ بن مخلد لمفتی کی ”توثیق“ مطلوب ہے۔

☆۳ اس میں خود بخود وضو ٹوٹ جانے اور جان بوجھ کر وضو ٹوٹنے کا فرق موجود نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳:

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا قضى التشهد في الصلوة أقبل على الناس بوجهه قبل أن ينزل التسليم .

”سلام کے نازل ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشهد مکمل کرتے تو لوگوں کی طرف متوجہ

ہو جاتے تھے۔“ (حلیۃ الاولیاء: ۵/۱۱۷، السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۱۷۵)

تبصرہ:

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، عطاء بن ابی رباح تابعی ہیں جو براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں۔ اس کی ایک سند ”معرفۃ السنن والآثار للبيهقي (۳۸۸۲-۳۸۸۳)“ میں ہے، وہ بھی اسی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

اس میں خود بخود ٹوٹنے یا جان بوجھ کر وضو ٹوٹنے کا ذکر نہیں، نیز یہ احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۴:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

إذا جلس مقدار التشهد ثم أحدث فقد تمت صلواته .

”جب وہ (نمازی) تشهد کی مقدار بیٹھ گیا، پھر بے وضو ہو گیا تو تحقیق اس کی نماز پوری ہو گئی۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۱۷۳)

تبصرہ:

☆۱ اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس میں الحکم بن عتیبہ راوی ”مذلس“ ہے، امام عینی حنفی نے اس کو

”مذلس“ کہا ہے (عمدة القاری از عینی: ۲۱/۲۴۸)

یہ ”عن“ سے بیان کر رہا ہے، یہ مسلم قاعدہ ہے کہ ”ثقة مذلس“ جب بخاری و مسلم کے علاوہ ”عن“ یا

”قال“ کے ساتھ روایت کرے تو یہ روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے۔

☆۲ اس میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دینے یا خود بخود ہو جانے کا فرق موجود نہیں۔

☆۳ یہ صحیح مرفوع احادیث مبارکہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۵:

قال الامام ابن أبي شيبة حدثنا أبو معاوية عن حجاج عن أبي اسحاق عن الحارث عن عليّ ، قال : اذا جلس الامام في الرابعة ، ثم أحدث ، فقد تمت صلوته ، فليقم حيث شاء .

”جب امام چوتھی رکعت میں بیٹھ جائے ، پھر بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی ، جیسے

چاہے ، اٹھ جائے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ : ۴۸۸/۲)

تبصرہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔

☆۱ اس کی سند میں ابو معاویہ الضری ”مدلس“ ہیں ، جو ”عن“ سے بیان کر رہے ہیں۔

☆۲ اس میں حجاج بن ارطاة ”ضعیف، مدلس“ ہے ، اس کے بارے میں حافظ نووی لکھتے ہیں :

الحجاج بن أرطاة اتفقوا على أنه مدلس ، وضعفه الجمهور ، فلم يحتجوا به .

”حجاج بن ارطاة راوی بالاتفاق مدلس ہے ، جمہور نے اسے ضعیف قرار دے کر اس سے حجت نہیں لی۔“

(تهذيب الاسماء واللغات للنووي : ۱/ ۱۵۲)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حجاج بن ارطاة جمہور کے نزدیک ”غیر محتج بہ“ (ناقابلِ احتجاج) ہے۔

(میزان الاعتدال : ۴/ ۲۹۶)

حافظ ابن العرّاقی کہتے ہیں : وضعفه الجمهور . ”جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(طرح الثريب لابن العراقي : في استحباب الصلوة)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں : فإن الأكثر على تضعيفه والاتفاق على أنه مدلس .

”اکثر محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں ، یہ بالاتفاق مدلس ہے۔“ (التلخيص الجبير : ۲۲۶/۲)

☆۳ اس کی سند میں ابو اسحاق السبّعی ”مدلس و مختلط“ ہے۔

☆۴ اس کی سند میں الحارث بن عبد اللہ الاثور ”ضعیف و مدلس“ ہے۔

حافظ نووی لکھتے ہیں : والحارث ضعيف باتفاقهم . (خلاصة الاحكام : ۱/ ۴۱۷)

نیز لکھتے ہیں : وقد اتفقوا على أنّ الحارث كذاب . (ايضاً : ۱/ ۵۰۵)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں : والجمهور على توهين أمره . (میزان الاعتدال : ۱/ ۴۳۷)

حافظ ہاشمی لکھتے ہیں: وضعفہ الجمهور وقد وثّق .

”جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے، نیز اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۵۰/۹)

نیز لکھتے ہیں: والحارث ضعیف . (مجمع الزوائد: ۳۰۲/۱)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: والحارث ضعیف جداً. ”حارث بن عبداللہ الاور سخت ضعیف ہے۔“

(النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۳۴۰/۱)

☆۵ اس میں خود بخود ہوا خارج ہونے یا جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے کا فرق مذکور نہیں، نیز یہ احادیث

صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۶:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد کے بارے میں حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

إذا قلت هذا أو قضيت هذا ، فقد قضيت صلواتك ، ان شئت أن تقوم فقم ، وان شئت أن

تقعد فاقعد .

”جب تو یہ تشہد پڑھ لے تو تیری نماز پوری ہے، چاہے تو کھڑا ہو جا، چاہے بیٹھا رہ۔“

(سنن ابی داؤد: ۹۷۰، وسندہ صحیح)

تبصرہ :

(۱) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں، بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔

حافظ نووی لکھتے ہیں:

اتَّفَقَ الحَفَاطُ عَلَى أَنَّهَا مَدْرَجَةٌ لَيْسَتْ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهَا مِنْ كَلَامِ

بن مسعود .

”حفاظ (حدیث) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ زیادت مدرج ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام نہیں

بلکہ ابن مسعود کی کلام ہے۔“ (خلاصة الاحكام: ۱/ ۴۴۹)

سنن کبریٰ بیہقی (۴۷۷/۲) اور دارقطنی (۳۵۳/۱) میں باسند صحیح ثابت ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود کے الفاظ

ہیں، راوی ”قال عبداللہ“ کے الفاظ بیان کر رہا ہے۔

امام دارقطنی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: وشبابة ثقة وقد فصل آخر الحديث جعله

من قول ابن مسعود وهو اصح من رواية من أدرج آخره في كلام النبي صلى الله عليه وسلم .

”شبابہ (بن سوار) ثقہ راوی ہے، اس نے حدیث کے آخری حصے کو علیحدہ بیان کیا ہے، اس کو ابن مسعود کا قول باور کروایا ہے، جنہوں نے ان الفاظ کو مدرج بیان کیا ہے، ان میں سے صحیح ترین روایت یہی ہے۔“
 (ب) اس قول میں جان بوجھ کر ہوا خارج کرنے یا سہواً ہوا کے خارج ہونے کا فرق مذکور نہیں۔
 (ج) یہ الفاظ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع روایت کے خلاف ہیں، ابو عمر کہتے ہیں:
 اَنَّ امیراً کان بمکة یسلم تسلیمتین ، فقال عبد اللہ : اُنّی علّقها ، اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعله .

”امیر مکہ نماز میں دو سلام پھیرتا تھا تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، اس نے سنت کہاں سے حاصل کر لی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۶۶، ح: ۵۸۱)
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِذَا قُلْتَ هَذَا اَوْ قَضَيْتَ هَذَا کے الفاظ سے رجوع کر لیا تھا، کیونکہ نماز میں دونوں طرف سلام پھیرنا سنت رسول قرار دے رہے ہیں۔
 (د) یہ الفاظ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے فتویٰ کے بھی خلاف ہیں، آپ فرماتے ہیں:
 مفتاح الصلوة الطهور و احرامها التکبیر و انقضائها التسلیم .

”وضو نماز کی چابی ہے، نماز صرف اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے اور صرف سلام پھیرنے سے پوری ہوتی ہے۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۷۳۰/۲، ۱۷۴۰/۱ و صحیحہ ۹ و سندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ اِذَا قُلْتَ هَذَا اَوْ قَضَيْتَ هَذَا کے الفاظ سے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رجوع فرمالیا تھا۔ والحمد للہ علی ذلک

کھانے کے بعد کی دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کھانا کھایا اور یہ دعا پڑھی، اس کے اگلے اور پچھلے سب (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں:
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةَ .
 ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے میری طاقت و قدرت کے بغیر مجھے یہ کھلایا اور یہ روزی

عطا کی۔“ (مسند الامام احمد: ۳/۳۸۹، سنن ابی داؤد: ۴۰۲۳، سنن ترمذی: ۳۴۵۸، شعب الایمان للبيهقي: ۶۲۸۵)

اس کی سند ”حسن“ ہے۔

سجدہ سہو کے طریقے غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سجدہ سہو (نماز میں بھول چوک کے سجدے) کے تین طریقے ثابت ہیں:

پہلا طریقہ :

نمازی نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، پھر نماز کا سلام پھیر دے۔

☆۱ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن نحسینہ الاسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں (بھول کر) درمیانی تشہد پڑھے بغیر کھڑے ہو گئے، جب نماز پوری کر لی تو:

سجد سجدتین یکبر فی کل سجدة وهو جالس قبل أن یسلم وسجدہما الناس معہ مکان ما نسی من الجلوس .

” (اس بھولے ہوئے تشہد کے بدلے میں) آپ نے بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے دو سجدے کر لیے، لوگوں

نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔“ (صحیح بخاری: ۱/ ۱۶۴، ح: ۱۲۳۰، صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۷، ح: ۵۸۰)

☆۲ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے کہ اس نے تین رکعتیں ادا کی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ شک ختم کرے، یقین پر بنیاد ڈالے ثَمَّ یسجد سجدتین قبل أن یسلم . (پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے)، اگر اس نے (بھول کر) پانچ رکعتیں پڑھ لیں، وہ (ان دو سجدوں کی وجہ سے) اس کی نماز کو جفت کر دیں گی، اگر چار پوری کرنے کے لیے (ایک رکعت) پڑھی ہے، وہ دونوں (سجدے) شیطان کی تذلیل کے لیے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۷، ح: ۵۷۱)

امام نکول شامی تابعی اور امام اہل سنت زہری فرماتے ہیں:

سجدتان قبل أن یسلم . ”سلام سے پہلے دو سجدے ہیں۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۲، وسندہ حسن)

دوسرا طریقہ :

☆ سلام کے بعد دو سجدے کرے، پھر سلام پھیرے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے (بھول کر نماز میں) کمی کی یا زیادتی کی، جب آپ نے سلام پھیرا تو عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! کیا نماز

کے بارے میں کوئی نیا حکم آگیا ہے، آپ نے فرمایا، وہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، آپ نے ایسے ایسے نماز ادا فرمائی ہے، اس پر آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا کیا، قبلہ کی طرف رخ انور فرمایا، وسجد سجدتین، ثمّ سلّم۔ ”اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا“ جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا، اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں آگاہ کرتا، لیکن میں بشر ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروادیا کرو، جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے تو درستی کے لیے سوچ، پکار کرے اور اسی پر اپنی نماز پوری کر لے، ثمّ یسلّم، ثمّ یسجد سجدتین۔ ”پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے۔“ (صحیح بخاری: ۵۸/۱، ح: ۶۱)

☆☆ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے، خرباق نامی آدمی کھڑا ہوا، جس کے ہاتھ قدرے لمبے تھے، اس نے کہا، اے اللہ کے پیغمبر! اس نے آپ کا یہ فعل مبارک ذکر کیا، آپ غصے میں چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور فرمایا، کیا یہ سچ کہتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، جی ہاں! اس پر آپ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا، ثمّ سجد سجدتین، ثمّ سلّم۔ ”پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۱۴، ح: ۵۷۴)

☆☆☆ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سجدہ سہو کے بارے میں فرمایا:
 یسلّم، ثمّ یسجد، ثمّ یسلّم۔ ”سلام پھیرے، پھر سجدہ کرے، پھر سلام پھیرے۔“
 (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۴۴۲، وسندہ حسن)

تیسرا طریقہ :

نماز مکمل کرے، سلام کے بعد دو سجدے کرے، پھر تشهد پڑھے، پھر سلام پھیرے، جیسا کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بہم، فسجد، فسجد سجدتین، ثمّ تشهد، ثمّ سلّم۔
 ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی، آپ بھول گئے، (سلام پھیرنے کے بعد) دو سجدے کیے، پھر تشهد بیٹھے، پھر سلام پھیرا۔“ (سنن ابی داؤد: ۱۰۳۹، سنن ترمذی: ۳۹۵، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن غریب صحیح“، امام ابن خزیمہ (۱۰۶۲) نے ”صحیح“، اور امام ابن حبان (۲۶۷۲-۲۶۷۰) نے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت

کی ہے۔

ثم تشہد کے الفاظ محمد بن سیرین کے شاگردوں میں سے صرف اشعث بن عبد الملک الحرانی نے بیان کئے ہیں اور وہ ”ثقة“ ہے، لہذا یہ زیادت محفوظ ہے، باقی رہا ابن سیرین کا یہ کہنا کہ لم أسمع فی التشہد وأحب السی أن یتشہد۔ ”میں نے تشہد کے بارے میں (کچھ) نہیں سنا، تشہد بیٹھنا ہی مجھے محبوب ہے۔“ (سنن ابی داؤد: ۱۰۱۰) تو یہ اس روایت کے لیے موجب ضعف نہیں، یہ ”نسی بعد ما حدث“ کی قبیل سے ہے، لہذا امام ابن المنذر (الوسط: ۳/ ۳۱۷)، امام بیہقی (۲/ ۳۵۵)، امام ابن عبد البر (التمہید: ۱۰/ ۲۰۹) وغیرہ کا ثم تشہد کے الفاظ کو خطا اور غیر ثابت کہنا صحیح نہیں۔

فائدہ نمبر ۱: حدیث ابن مسعود (مسند الامام احمد: ۱/ ۴۲۸-۴۲۹، سنن ابی داؤد: ۱۰۲۸، السنن

الکبریٰ للنسائی: ۶۶۵، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۳۵۵-۳۵۶) مرسل ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، ابو عبیدہ کا اپنے باپ سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: والراجح أنه لا یصح سماعه من أبيه ”راجح یہ ہے کہ اس (ابو عبیدہ) کا اپنے والد سے سماع صحیح ثابت نہیں۔“ (التقریب: ۸۳۶) نیز فرماتے ہیں: فإنه عند الأكثر لم یسمع من أبيه .

”اکثر (محدثین) کے نزدیک ابو عبیدہ کا اپنے باپ سے سماع نہیں۔“ (موافقة الخبر الخبر لابن حجر: ۳۶۸/ ۳)

امام ابن المنذر فرماتے ہیں: الخبر غیر ثابت۔ ”یہ روایت ثابت نہیں ہے۔“ (الوسط: ۳/ ۳۱۷)

امام بیہقی فرماتے ہیں: وهذا غیر قوی ومختلف فی رفعه ومنتہ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۳۵۶)

فائدہ نمبر ۲: حدیث مغیرہ بن شعبہ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۳۵۵) کی سند ”ضعیف“ ہے، اس

میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”سنی الحفظ“ ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن

کثیر فرماتے ہیں: سنی الحفظ، لا یحتج بہ عند أكثرهم. (تحفة الطالب لابن کثیر: ۳۴۵)

حافظ بیہقی لکھتے ہیں: وهذا ینفرد بہ ابن ابی لیلیٰ هذا، ولا حجة فیما ینفرد بہ لسوء حفظه

و کثرة خطئه فی الروایات. (معرفة السنن والآثار للبیہقی: ۲۸۲۳)

امام ابن سیرین (سنن ابی داؤد: ۱۰۱۰، وسندہ صحیح)، امام شافعی (الام: ۱/ ۱۳۰)، امام احمد بن حنبل (مسائل

احمد لابی داؤد: ۵۳)، امام ابراہیم نخعی (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۷، وسندہ صحیح)، حکم بن عتیہ اور امام حماد بن ابی

سلیمان (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۷، وسندہ صحیح) اس طریقہ کو جائز اور درست سمجھتے تھے

دودھ پینے والے بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہیں!

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

معزز قارئین! اسلام ایک عالمگیر اور دائمی مذہب ہے، اس میں لوگوں کی ضروریات و حاجات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے، چونکہ اسلام خالص خالق کائنات کی طرف سے نازل شدہ دین ہے اور خالق اپنی مخلوق کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے، اس لیے اس نے لوگوں کو ایسا ضابطہ حیات دیا، جس میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اسی سلسلے کی ایک کڑی دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر صرف چھینٹے مارنے سے طہارت حاصل ہونے کی نبوی رخصت ہے، لیکن بعض الناس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رخصت سے مسلمانوں کو محروم کرنے کی ٹھان رکھی ہے، وہ اس بارے میں وارد صحیح و صریح احادیث کا رد کرتے ہوئے بچے کے پیشاب کو بھی دھونے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ایک ضعیف حدیث بھی نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔

دیگر بہت سے مسائل کی طرح وہ اس مسئلہ میں بھی دلائل سے تہی دست ہو کر صرف احادیث صحیحہ کی من مانی تاویلات کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

آئیے اس سلسلے میں حدیثی دلائل اور ان پر احناف کی طرف سے برسائے گئے تاویلی تیروں کی وقعت ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ۱:

عن أبي السَّمْح قال : كنت خادماً للنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فجَنَى بالحسن أو الحسين ، فبال عليّ صدره ، فأرادوا أن يغسلوه ، فقال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : رَشَّه ، فَإِنَّهُ يَغْسِل بول الجارية ، و يرش من بول الغلام .

”سیدنا ابواسمٰح فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، ایک دفعہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما آپ کے پاس لائے گئے، انہوں نے آپ کے سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا، صحابہ کرام نے چاہا کہ اسے دھو دیں، لیکن آپ نے فرمایا: اس پر چھینٹے مارو، کیونکہ بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب پر

چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد: ۳۷۶، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابن ماجہ: ۵۲۶، واللفظ لہٗ، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۲۸۳) اور امام حاکم (۱۶۷/۱) رحمہما اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز حافظ ابن حجر نے اس کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (تخریج احادیث المختصر: ۴۰۲-۴۰۷/۲)

امام بخاری فرماتے ہیں: حدیث حسن۔ ”یہ حدیث حسن ہے۔“ (التلخیص الحبر لابن حجر: ۳۸۸)

دلیل نمبر ۲:

وعن لبابة بنت الحارث قالت : كان الحسن بن عليّ رضي الله عنه في حجر رسول الله صلى الله عليه وسلم فبال عليه ، فقلت : البس ثوبا وأعطني ازارك حتى أغسله ، قال : انما يغسل من بول الأنثى وينضح من بول الذكر .

”سیدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ پیشاب کر دیا، میں نے آپ سے عرض کی کہ آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہبند مبارک مجھے دیں تاکہ اسے دھو دوں، آپ نے فرمایا: بلاشبہ بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینے مارے جائیں گے۔ (سنن ابی داؤد: ۳۷۵، سنن ابن ماجہ: ۵۲۲، وسندہ حسن ان کان قابوس بن المخارق سمع من ام الفضل لبابة بنت الحارث، وخرجه احمد: ۳۳۹/۶-۳۴۰، وسندہ صحيح متصل)

اس حدیث کو بھی امام ابن خزیمہ (۲۸۲) اور امام حاکم (۱۶۷/۱) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

و عن عائشة : أنّ النّبىّ صلى الله عليه وسلم كان يؤتى بالصبّيان ، فيبرّك عليهم و يحنّكهم ، فأتى بصبيّ فبال عليه ، و دعا بماء فاتبعه بوله ولم يغسله .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور ان کو گھٹی دیتے، ایک بچہ آپ کے پاس لایا گیا، آپ پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوا کر پیشاب پر ڈالا، لیکن اسے دھویا نہیں۔“

(صحیح البخاری: ۲۲۲، صحیح مسلم: ۲۸۶، ۱۰۱۰، واللفظ له)

دلیل نمبر ۴:

و عن أمّ قيس بنت محصن : أنّها أتت النّبىّ صلى الله عليه وسلم بابن لها لم يبلغ أن يأكل الطّعام فبال في حجر رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا بماء ، فنضحه على بوله ، ولم يغسله

غسلاً.

”سیدہ ام قیس بنت محسن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، وہ ابھی کھانا کھانے کی عمر کو نہ پہنچا تھا، اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا، اور پیشاب پر چھینٹے مار دیئے اور اسے بالکل نہیں دھویا۔

(صحیح بخاری: ۲۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۷، ۱۰۴۰، واللفظ لہ)

فہم محدثین کی روشنی میں

☆۱ امام بخاری کی تبویب یہ ہے:

باب ما جاء في بول الصبيان . یعنی بچوں کے پیشاب کا بیان۔

☆ شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

غرضه أن التطهير من بول الصبيان تحصل باتّباع الماء ونضحه ولا حاجة الى الغسل .
”اس تبویب سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ دودھ پینے والے بچوں کے پیشاب سے طہارت پانی کے چھینٹے مارنے سے حاصل ہو جاتی ہے، دھونے کی ضرورت نہیں۔“ (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری از شاہ ولی اللہ)

☆۲ امام ترمذی (م ۲۷۹) اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب ما جاء في نضح بول الغلام قبل أن يطعم .

”کھانا کھانے سے پہلے کی عمر والے بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کا بیان۔

اور یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

وهو قول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم ، مثل أحمد وإسحاق ، قالوا : ينضح بول الغلام ، ويغسل بول الجارية ، وهذا ما لم يطعما ، فإذا طعما غُسل جميعا .

”یہی مذہب بہت سے اہل علم صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد والوں کا ہے، مثلاً امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، ان کا کہنا ہے کہ بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ یہ فرق اس وقت تک ہوگا جب تک وہ کھانا کھانے نہ لگیں، جب وہ کھانا شروع کر دیں، تو دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہوگا۔“ (جامع ترمذی تحت حدیث: ۷۱)

- ☆۳ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۷۱)
- ☆۴ امام ابن خزیمہ (۲۳۳-۳۱۱) کی ترویج یہ ہے: باب نضح بول الغلام ورشہ قبل أن یطعم .

”کھانا شروع کرنے سے پہلے بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے اور چھینٹے مارنے کا بیان۔“

(صحیح ابن خزیمہ: ۱/۱۴۴)

- ☆۵ امام ابن حبان (۳۵۴م) فرماتے ہیں:

ذكر الاباحه للمراء ترك غسل الثوب الذي أصابه بول الصبي الموضع الذي لم يطعم بعد .
”جس شیر خوار بچے نے ابھی کھانا نہ کھایا ہو، اس کے پیشاب میں ملوث کپڑے کے نہ دھونے کے جواز کا

بیان۔“

نیز فرماتے ہیں: ذكر الاكتفاء بالرش على الثياب التي أصابها بول الذكر الذي لم يطعم بعد .
”جس بچے نے ابھی تک کھانا نہ کھایا ہو، اس کے پیشاب زدہ کپڑوں پر پانی کے چھینٹے کافی ہونے کا

بیان۔“ (صحیح ابن حبان: ۴/۲۰۸، ۲۱۰)

- ☆۶ امام ابن المنذر (۳۶۸-۴۳۳) فرماتے ہیں:

يجب رش بول الغلام بحديث أم قيس ، و غسل بول الجارية .

”ام قیس کی حدیث کی بناء پر بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا واجب ہے اور دوسری احادیث سے بچی کے

پیشاب کو دھونا ثابت ہوتا ہے۔“ (الاوسط لابن المنذر: ۲/۱۴۴)

- ☆۷ اس حدیث کے راوی امام اہل سنت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمضت السنة بأن لا يغسل من بول الصبي حتى يأكل الطعام فإذا أكل الطعام غسل من بوله .
”مسلمانوں میں یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ کھانا کھانے کی عمر سے پہلے بچے کا پیشاب نہ دھویا جائے، جب

وہ کھانا کھانے لگ جائے، تو پھر اس کا پیشاب دھویا جائے گا۔“ (صحیح ابن حبان: ۴/۲۱۷)

احناف کے نزدیک بھی یہ اصول مسلم ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

- ☆۸ امام تہنقی کی ترویج یہ ہے: ما روى في الفرق بين بول الصبي والصبية .

”بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق کرنے والی روایات کا بیان۔“ (سنن الكبرى للبيهقي: ۴/۴۱۲)

- ☆۹ حافظ نووی (۶۳۱-۶۷۶) شرح صحیح مسلم (۱/۱۳۹) میں لکھتے ہیں:

و قد اختلف العلماء في كيفية طهارة بول الصبي والجارية على ثلاثة مذاهب وهي ثلاثة أوجه ، لأصحابنا الصحيح المشهور المختار أنه يكفي النضح في بول الصبي ولا يكفي في بول الجارية ، بل لا بد من غسله كسائر النجاسات ، والثاني : أنه يكفي النضح فيهما ، والثالث : لا يكفي النضح فيها ، وهذان الوجهان حكاهما صاحب التتمة من أصحابنا وغيره وهما شاذان ضعيفان .

”بچے اور بچی کے پیشاب سے طہارت حاصل کرنے کی کیفیت میں علماء تین مختلف مذہب رکھتے ہیں، اور یہ مذاہب تین طریقوں پر مشتمل ہیں، شوافع کے ہاں صحیح، مشہور اور مختار طریقہ یہی ہے کہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی ہے، البتہ بچی کے پیشاب میں چھینٹے کافی نہیں، بلکہ دوسری نجاستوں کی طرح اسے بھی دھونا ضروری ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی ہے، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے پیشاب پر چھینٹے کافی نہیں، آخری دونوں طریقے ہمارے علماء میں سے صاحب تتمہ وغیرہ نے نقل کئے ہیں، یہ دونوں شاذ اور ضعیف ہیں۔“

☆۱۰ امام عبدالحق الاشملی (۵۱۰-۵۸۱) باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باب نضح بول الغلام الرضيع .

”دودھ پینے والے بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنے کا بیان۔“ (الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ: ۱/ ۳۸۵)

تلك عشرة كاملة . والله (الحمد) !

دلائل احناف

مذکورہ احادیث اور توضیحات محدثین کے خلاف اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے، البتہ بچے کے پیشاب پر غسل خفیف ہوگا اور بچی کے پیشاب کو پورے مبالغے سے دھویا جائے گا، یہ بھی فقہ حنفی کا ایسا مسئلہ ہے جس پر کوئی ایسی صحیح و صریح حدیث ان کے پاس نہیں، جو بچے اور بچی کے پیشاب کی بابت بچے کے پیشاب کو دھونا واجب قرار دے، محض الفاظ کے ہیر پھیر، بعید قیاسات اور فاسد تاویلات سے کام لیا گیا ہے۔

تنبیہ :

جناب سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”امام نووی شرح مسلم (۱/ ۱۳۹) میں، حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/ ۳۶۷) میں اور علامہ عینی عمدۃ القاری (۱/ ۷۸۹) میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ لڑکے کے پیشاب پر جب تک اس نے طعام (کھانا) شروع نہ کیا ہو، غسل خفیف ہوگا، لڑکی کا پیشاب پورے مبالغے کے ساتھ دھویا جائے گا۔“

(خزائن السنن از صفدر: ۱۵۰/۱)

مذکورہ حوالہ تو کجا آپ پوری شرح مسلم از نووی پڑھ جائیں، یہ عبارت آپ کو کہیں نہیں ملے گی، جو صفدر صاحب نے حافظ نووی سے منسوب کی ہے، اس کے برعکس ”خفیف“ یا ”مبالغے“ کا فرق کے بغیر حافظ نووی لکھتے ہیں:

وَمَمَّنْ قَالَ بِوَجوبِ غَسْلِهِمَا أَبُو حَنِيفَةَ وَمَالِكٌ فِي الْمَشْهُورِ عَنْهُمَا وَأَهْلُ الْكُوفَةِ .
”جو لوگ بچے اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا واجب قرار دیتے ہیں، ان میں مشہور قول کے مطابق امام ابوحنیفہ، اور امام مالک، نیز اہل کوفہ شامل ہیں۔“ (شرح مسلم از نووی: ۱/ ۱۳۹)

اسی طرح حافظ ابن حجر کی طرف بھی اس فرق والی عبارت کا امتساب غلط ہے، کیونکہ یہ عبارت قطعاً حافظ صاحب کی نہیں، بلکہ انہوں نے ابن دقیق العید سے یہ بات نقل کی ہے، حافظ ابن حجر تو بغیر فرق کے تیسرا مذہب یوں بیان کرتے ہیں:

وَالثَّالِثُ : هُمَا سِوَا فِي وَجوبِ الْغَسْلِ وَبِهِ قَالَ الْحَنْفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ .
”تیسرا مذہب یہ ہے کہ بچہ اور بچی کے پیشاب دھونے کے وجوب میں برابر ہیں، یہی مذہب احناف اور مالکیوں کا ہے۔“ (فتح الباری: ۱/ ۳۲۷)

دیوبندی حضرات کو یاد رہے کہ ابن دقیق العید نے صرف یہ قول نقل ہی نہیں کیا، بلکہ اس کا خوب رد بھی کیا ہے، جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

دلیل نمبر ۱:

محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب اپنے دلائل میں لکھتے ہیں:
”بخاری (۱/ ۳۵) میں روایت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا جس نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، فدعا بماء فأتبعه آياه آپ نے پانی منگو کر اس پر خوب بہایا۔“ (خزائن السنن: ۱/ ۱۵۰)
تبصرہ:

دیوبندی صاحب نے حدیث کے الفاظ کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے۔

(۱) أتبع الماء کا معنی ”خوب پانی بہانا“ کس لغت میں ہے؟ میرے سامنے ”القاموس الوحید“ ہے، جو کہ جناب وحید الزماں قاسمی کیرانوی استاذ حدیث و ادب عربی و معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تصنیف و تالیف ہے، اس میں بعینہ اسی لفظ أتبعہ آیاہ کا ترجمہ یوں ہے ”پیچھے لگانا، پیچھے چلنا، لاحق کرنا“ اب تقلید ناسدید نے دیوبندی صاحب کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنا مذہب ثابت کرنے کی خاطر غلط بیانی کرتے ہوئے ترجمہ میں ”خوب“ کے الفاظ زیادہ کر دیں۔

(۲) اگر صفر صاحب بخاری میں ہی اسی حدیث کو دوسرے مقام پر بھی پڑھ لیتے تو شاید اس سے بچے کے پیشاب کو دھونے کے واجب ہونے پر استدلال نہ کرتے، کیونکہ صحیح بخاری میں (۹۴۰/۲) پر اسی حدیث کے الفاظ ہیں: فعدا بماء فاتبعه الماء ولم يغسله .

”آپ نے پانی منگوا کر پیشاب کے پیچھے لگایا لیکن اسے دھویا نہیں۔“ (بخاری: ۶۳۵۵)

اب اہل دانش خود اندازہ لگائیں کہ دھونے کے بغیر پانی ڈالنے کی کیا صورت ہوگی؟ الأحادیث تفسر بعضها بعضاً . کے تحت اس سے مراد چھینٹے اور چھڑکاؤ ہی ہو سکتا ہے۔
(۳) محدثین اپنی احادیث کا معنی و مفہوم بعض الناس سے بہتر جانتے ہیں، کیونکہ مثل مشہور ہے۔

صاحب البیت أدری بما فيه (گھر والا اپنے گھر کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔)
ہم محدثین کی ایک بڑی جماعت سے بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہونے کے اقوال و فتاویٰ جات نقل کر چکے ہیں، اب صرف امام ابن حبان کا فتویٰ ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، فرماتے ہیں:
ذكر البيان بأن قول عائشة: فاتبعه الماء . أرادت به . رشه عليه .

”اس بات کی وضاحت کا تذکرہ کہ سیدہ عائشہ کے فرمان فاتبعه الماء (آپ نے پیشاب پر پانی لاحق کیا) سے ان کی مراد رشہ علیہ (آپ نے پیشاب پر پانی کے چھینٹے مارے) ہے۔“

(صحیح ابن حبان: ۲۰۹/۴)

اب بتائیں کہ بات امام ابن حبان اور دیگر محدثین کی مانی جائے گی یا سرفراز خاں صفر صاحب کی؟
بس ایک نگاہ پٹھرا ہے فیصلہ دل کا

دلیل نمبر ۲:

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں:

”مسلم میں (۱/ ۱۳۹) روایت ہے کہ فدعا بماء فصْبَہ علیہ۔ صحیح ابوعوانہ (۱/ ۲۰۲) میں روایت ہے کہ آپ پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا۔ فدعا بماء فصْبَہ علی البول یتبعہ ایّاه۔ طحاوی (۱/ ۴۷) میں روایت ہے کہ آپ پر ایک لڑکے نے پیشاب کر دیا تو فرمایا پانی لاؤ فصْبُوا علیہ الماء صَبًا۔ اور اسی صفحے پر یہ روایت بھی ہے کہ آپ پر حضرت حسن یا حسین نے پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوا یا فصْبَہ علیہ، ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ صرف نضح اور رش پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ خوب پانی ڈالا گیا اور بہایا گیا اور یہی غسل خفیف ہے۔“ (خزائن السنن از صفدر: ۱/ ۱۵۰)

تبصرہ :

اس تمام عبارت میں موصوف نے لفظ ”صَب“ پر زور دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بچے کے پیشاب کو دھویا جائے گا، ورنہ پاک نہ ہوگا، حالانکہ صحیح مسلم اور طحاوی وغیرہ کے جوا لفاظ صفدر صاحب نے پیش کئے ہیں، وہ اسی حدیث عائشہ کے ہیں، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ولم یغسلہ (آپ نے اسے دھویا نہیں)، ایک ہی حدیث میں ”صَب“ اور عدم غسل (نہ دھونے) کا مطلب وہی ہے جو ہم امام ابن حبان کی زبانی بیان کر چکے ہیں کہ رَشَّہ علیہ (چھینٹے مارے)، محدثین اور سلف صالحین کی یہی تحقیق ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں: حافظ نووی لکھتے ہیں کہ حدیث عائشہ میں مختلف الفاظ آئے ہیں:

فدعا بماء فاتبعہ بولہ ولم یغسلہ وفي الرواية الأخرى... فدعا بماء فصْبَہ علیہ. (شرح مسلم: ۱/ ۳۹)

ان مختلف الفاظ کو ذکر کرنے کے بعد انہوں نے صحیح اور مختار مذہب یہی بیان کیا ہے کہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے کافی ہیں اور اسے ہی جمہور صحابہ، تابعین، محدثین اور سلف صالحین کا مذہب قرار دیا ہے، پتا چلا کہ محدثین ”صَب“ کو بھی ”رَش“ اور ”نضح“ پر محمول کرتے ہیں، نہ کہ غسل پر، کلام عرب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ الفاظ ایک دوسرے کے معانی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں، محدثین کرام احادیث کی لغت کو بھی بخوبی جانتے تھے، خصوصاً حافظ نووی کو تو امام لغت شمار کیا جاتا ہے، اور وہ اکثر لغوی تشریح کرتے بھی رہتے ہیں، لہذا شرح نووی لغت کی کتاب بھی ہے، اب محدثین و سلف صالحین کی بات مانی جائے گی یا مقلدین کی؟

دلیل نمبر ۳:

بخاری کی روایت کے الفاظ لم یغسلہ (آپ نے بچے کے پیشاب کو دھویا نہیں) مقلدین کے گلے کا

طوق ہیں، اس طوق سے جان چھڑانے کی ناکام کوشش میں سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں:

”مسلم (۱/ ۱۳۹) میں اس روایت کے الفاظ یوں ہیں ولم يغسله غسلاً تولفي تأكيداً کی ہے، نفس غسل

کی نہیں۔“ (خزائن السنن از صفدر: ۱۵۷) ، نیز دیکھیں اعلاء السنن از ظفر احمد تھانوی دیوبندی (۱/ ۴۳۲ - ۴۳۳)

تبصرہ :

(۱) صفدر صاحب نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے حدیث کے معنی کو اپنے مذہب کے موافق ڈھالنے کی کوشش کی ہے، لیکن بے سود، خود صفدر صاحب نے اقرار کیا ہے کہ لم يغسله کی تاکید دوسری حدیث میں آئی ہے اور ولم يغسله غسلاً ہو گیا، لہذا اگر حصار تقلید سے باہر آ کر غور کیا جائے، تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ اس جگہ یہ تاکید ”غسل“ (دھونے) کی نہیں، بلکہ عدم غسل (نہ دھونے) کی ہے، یعنی لم کی نفی يغسله پر وارد ہوئی ہے، نہ کہ غسلاً پر، کیونکہ خود باقر صفدر صاحب یہ بات گزر چکی ہے کہ پہلے لم يغسله (عدم غسل) تھا، پھر اس کی تاکید مسلم میں غسلاً لائی گئی، جب یہ تاکید عدم غسل کی ہے، تو بجائے احناف کو سہارا دینے کے، مزید گلے کا کٹا بن گئی ہے، اب معنی یہ ہوا کہ آپ نے چھینٹے مارے تھے، دھویا بالکل ہی نہیں تھا۔

(ب) صفدر صاحب نے لم يغسله غسلاً میں جو تاکید کی نفی مراد لی ہے، سوائے احناف کی ہٹ دھرمی کے اس پر کوئی دلیل نہیں، جبکہ ہم محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت یعنی دس، جو کہ کسی حدیث میں ہو تو اسے تو اتر تک پہنچا دیتی ہے، سے اپنے بیان کردہ معنی کی تائید ذکر کر چکے ہیں۔

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

اتَّبَعُوا فِي ذَلِكَ الْقِيَاسَ وَقَالُوا الْمُرَادُ بِقَوْلِهَا . وَلَمْ يَغْسِلْهُ . اَيْ غَسَلًا مَبَالِغًا فِيهِ ، وَهُوَ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَيُعَدُّهُ مَا وَرَدَ فِي الْأَحَادِيثِ الْآخَرِينَ مِنْ التَّفَرُّقَةِ بَيْنَ بَوْلِ الصَّبِيِّ وَالصَّبِيَّةِ فَانْهَمَ لَا يَفْرَقُونَ بَيْنَهُمَا .

”احناف نے اس مسئلہ میں قیاس سے کام لیا ہے اور کہا ہے ولم يغسله سے مراد مبالغے سے دھونا ہے، حالانکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور دوسری روایات میں جو بچے اور بچی کے پیشاب میں چھینٹے مارنے اور دھونے کا فرق آیا ہے، وہ بھی اسے بعید قرار دیتا ہے، کیونکہ احناف ان میں فرق نہیں کرتے۔“ (فتح الباری: ۱/ ۳۲۷)

(ج) جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

قوله : ولم يغسله غسلًا . صريح في نفى المبالغة في الغسل ، أي لم يغسله غسلًا شديدًا ، فإن المفعول المطلق يكون للتأكيد ، وأما نفى الغسل مطلقاً فلا .

”آپ کا فرمان ولم يغسله غسلًا واضح طور پر بتاتا ہے کہ یہاں دھونے میں مبالغے کی نفی ہے، یعنی آپ نے سختی سے اسے نہیں دھویا، کیونکہ مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے، مطلق طور پر دھونے کی نفی مراد نہیں۔“ (اعلاء السنن از تھانوی: ۱/ ۴۳۲ - ۴۳۳)

تبصرہ :

جناب تھانوی صاحب بتا رہے ہیں کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے، تھانوی صاحب کی اس بات سے ہمیں ذرا برابر بھی انکار نہیں، لیکن بعض الناس کو یہ بات بھی مد نظر رکھنا ہوگی کہ مفعول مطلق ہمیشہ مصدر ہوتا ہے، جس طرح مصدر فعل معروف سے آتا ہے، بعینہ وہی مصدر فعل مجہول سے بھی آتا ہے، اب اگر کوئی شخص مصدر کو ہمیشہ معروف ہی خیال کرتا رہے اور اسے مجہول کہنے سے انکار کر دے، تو اس کی جہالت میں شک نہیں کیا جاسکتا، مثلاً ضَرِبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، میں ضَرْبًا مصدر مجہول ہے، اس کا معنی ہوگا ”زید مارا گیا مارا جانا“ یہاں مصدر کا معنی ”مارنا“ درست نہیں، کیونکہ یہاں تاکید فعل مجہول (مارے جانے) کی ہے، نہ کہ معروف (مارنا) کی، کیونکہ یہ مصدر فعل مجہول کا ہے، اسی طرح فعل مثبت اور فعل منفی کا معاملہ ہے، اگر مصدر فعل مثبت کے بعد آئے تو تاکید فعل مثبت کی ہوگی، مثلاً ضَرَبْتُ ضَرْبًا (میں نے اسے مارا مارنا)، یعنی خوب مارا اور اگر مصدر فعل منفی کے بعد آئے تو تاکید نفی کی ہوگی، نہ کہ اثبات فعل کی، جیسے مَا ضَرَبْتُ ضَرْبًا، لہذا فعل نفی کی تاکید بالکل نہ مارنے سے تعبیر ہوگی، نہ کہ ہلکا مارنے سے، دیوبندیوں کو اپنی عربی گرائمر بھی مضبوط کرنی چاہیے۔

تھانوی صاحب نے بھی کوئی مدلل بات نہیں کی، محدثین اور سلف صالحین نے خلاف معنی کرتے وقت کوئی دلیل تو ہونا چاہیے تھی، اگرچہ کمزور ہی ہوتی۔

دلیل نمبر ۴:

جناب محمد سر فر از خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”بخاری (۱/ ۳۵) وغیرہ کی روایت ہے جس میں آتا ہے نضح عليه... نضح بمعنی غسل ہے، چنانچہ بخاری (۱/ ۳۶) میں روایت ہے کہ حیض کے کپڑے کے بارے میں آپ سے سوال ہوا، قال : تحتہ ثم

تقرصہ بالماء و تنضحه بالماء . اس مقام پر تنضح کے معنی شرح نے غسل ہی کے لئے ہیں۔۔۔“

(خزائن السنن از صفدر: ۱/ ۱۵۷)

تفصیل کے لئے دیکھیں اعلاء السنن از ظفر احمد تھانوی دیوبندی (۱/ ۴۳۲ - ۴۳۵)

تبصرہ :

اولاً: خود ظفر احمد تھانوی صاحب نے حافظ نووی سے نقل کیا کہ ”نضح“ چھینے مارنے اور دھونے دونوں معنی میں آتا ہے، تعین معنی سیاق اور دوسری روایات سے ہوگا، چنانچہ:

پہلے ہم نے سیاق کو دیکھا تو ”نضح“ کے ساتھ لم یغسلہ کا لفظ آیا ہے (دیکھیں بخاری: ۲۳۳) ، لہذا دوسرا، یعنی چھینے مارنے کا معنی متعین ہو گیا۔

پھر دوسرے نمبر پر دوسری روایات کو دیکھیں تو ”نضح“ کے ساتھ ”رش“ (چھینے مارنے) کا لفظ آیا ہے، لہذا اس طریقے سے بھی چھینے مارنے کا معنی متعین ہو گیا، لفظ ”صب“ پر بحث گزر چکی ہے۔

ثانیاً: محدثین نے ”نضح“ سے ”رش“ (چھینے مارنا) ہی مراد لیا ہے، جیسا کہ ان کی تبویب سے عیاں ہے، جسے ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں، لہذا سب تاویلات باطل ہو گئیں۔ والحمد لله علیٰ ذلک۔

اب قارئین ہی بتائیں کہ حدیث نبوی میں دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر چھینے کافی ہونے کے الفاظ موجود ہونے کے باوجود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے کے پیشاب کو نہ دھونے کے باوجود اور پھر کثیر تعداد میں محدثین کرام کی تصریحات کے باوجود بھی مقلدین کا بغیر دلیل کے اسے دھونا ضروری قرار دینا

حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟

☆☆.....☆☆.....☆☆

عذاب قبر سے پناہ ابوسعید

سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے، آپ نے بنو نجار کے لوگوں کی آوازیں سنیں جو کہ جاہلیت میں مرے تھے، ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراتے ہوئے نکلے، اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ عذاب قبر سے پناہ

مانگو۔“ (مسند الامام احمد: ۳/ ۲۹۵-۲۹۶، وسندہ صحیح)

ابن الحسن الحمادی

آؤ عمل کریں

سجدہ کی دعائیں

☆۱ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (تہجد) ادا کی (حدیث ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں):

ثمَّ سجد ، فقال : سبحان ربِّيَ الأعلى ، فكان سجوده قريباً من قيامه .

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور یہ دعا پڑھنا شروع کی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى (پاک ہے میرا رب اعلیٰ)، آپ کا سجدہ آپ کے قیام کے برابر تھا۔“ (صحیح مسلم: ۷۷۲)

☆۲ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا بکثرت پڑھتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي .

”اے اللہ! تو پاک ہے، اے رب ہمارے! تیری ہی تعریف ہے، اے اللہ! مجھے معاف فرما۔“

(صحیح بخاری: ۷۹۴، صحیح مسلم: ۴۸۴)

☆۳ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ .

”(اللہ) نہایت پاک، بہت زیادہ بڑائی اور عظمت والا اور عیوب و نقائص سے خوب پاک و منزہ ہے، جو

فرشتوں اور روح (جبریل) کا رب ہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۸۷)

☆۴ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا، میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے پاس گئے ہوں گے، میں نے تلاش کیا، پھر واپس لوٹ آئی، اچانک کیا دیکھتی

ہوں کہ آپ حالت رکوع یا سجدہ میں ہیں اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں:

سُبْحَانَكَ وَيَحْمَدُكَ ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ .

”توپاک ہے، تیری ہی تعریف و ثناء ہے، تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔“ (صحیح مسلم: ۴۸۵)

☆۵ سیدنا عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نماز میں) کھڑا تھا، آپ نے سورہ بقرہ کی تلاوت کی، آپ رحمت والی آیت کریمہ سے گزرتے تو رک کر رحمت کا سوال کرتے، عذاب والی آیت کریمہ سے گزرتے تو رک کر پناہ طلب کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قیام کی مقدار رکوع کیا اور رکوع و سجدہ میں یہ دعا پڑھی:

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ .

”قہر و قدرت، طاقت و عظمت، عظیم الشان سلطنت و بادشاہت، کبریائی اور عظمت والے اللہ پاک کی میں

تسبیح بیان کرتا ہوں۔“ (سنن ابی داؤد: ۸۷۳، سنن نسائی: ۱۰۵۰، وسندہ صحیح)

حافظ نووی نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام: ۱/ ۳۹۶)

☆۶ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّةً وَجِلَّةً وَّ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرَّةً .

”اے اللہ! میری ساری کی ساری لغزشوں سے درگزر فرما، چھوٹی ہوں یا بڑی، اول ہوں یا آخر، ظاہر ہوں

یا خفی۔“ (صحیح مسلم: ۴۸۳)

☆۷ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، تلاش کیا تو میرے ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں مبارک کے تلووں پر لگے اور آپ مسجد میں تھے، دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ ، وَاَعُوْذُ بِكَ

مِنْكَ ، لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَیْكَ ، اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ .

”اے اللہ! تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا

ہوں، تیرے قہر و عذاب سے تیری پناہ پکڑتا ہوں، میں تیری ثناء کو شمار نہیں کر سکتا، تو اسی طرح ہے، جیسے تو نے

اپنی ثناء بیان کی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۸۶)

☆۸ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں یہ دعا پڑھتے

تھے: اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيْ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ .

”اے اللہ! میں نے تیرے لیے ہی سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا، تیرا ہی مطیع و فرمانبردار ہوں، میرا چہرہ اس ذات کے لیے سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا، اس کی شکل بنائی اور اس کی آنکھ اور کان کو شق کیا (سننے اور دیکھنے کے قابل بنایا)، بابرکت ہے وہ اللہ جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۷۷۱)

☆ ۹ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز یا سجدے میں یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُورًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُورًا وَفِيْ بَصَرِيْ نُورًا وَعَنْ يَمِيْنِيْ نُورًا وَعَنْ شِمَالِيْ نُورًا وَاَمَامِيْ نُورًا وَخَلْفِيْ نُورًا وَفَوْقِيْ نُورًا وَتَحْتِيْ نُورًا وَاجْعَلْ لِّيْ نُورًا .

”اے اللہ! میرے دل میں نور بھردے، میرے کانوں میں نور بھردے اور میری آنکھوں میں نور بھردے، میرے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے نور بھردے اور میرے لیے نور بنادے۔“ (صحیح مسلم: ۷۶۳/ ۷۸۷)

سجدہ تلاوت کی دعا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے سجدہ کیا تو اس درخت نے میرے ساتھ سجدہ کیا، میں نے سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھ رہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اَكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا ، وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وَزْرًا ، وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا ، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ .

”اے اللہ! اس سجدہ کے بدلے میرے لیے اپنے ہاں اجر و ثواب لکھ لے اور اس کے ذریعے مجھ سے (گناہوں کا) بوجھ اتار دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا لے اور میری طرف سے اسے اسی طرح قبول فرما، جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا تھا۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا

اور آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ (سنن ترمذی: ۵۷۹، ۳۴۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۰۵۳، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن غریب“ اور امام ابن خزمیہ (۵۶۲) ، امام ابن حبان (۲۷۶۸) ، امام غلیلی (تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۷۶) اور امام حاکم (۱/ ۲۲۰، ۲۱۹) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس کا راوی الحسن بن عبداللہ ”حسن الحدیث“ ہے، امام ابن حبان، امام غلیلی، امام ابن خزمیہ، امام حاکم اور امام ترمذی وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے۔

فائدہ :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھتے تھے۔
سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ .
”میرا چہرہ اس ذات کے لیے سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا اور اس نے اپنی قوت و طاقت سے اس کے کانوں اور آنکھوں کو قابل سماعت و بصارت بنایا۔“

(سنن ابی داؤد: ۱۴۱۴، سنن نسائی: ۱۱۳۰، سنن ترمذی: ۸۵۰، ۳۴۲۵، مسند الامام احمد:

۳۰/۶، المستدرک للحاکم: ۱/ ۲۲۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۳۲۵، وسندہ ضعیف)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن صحیح“ اور امام حاکم نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
لیکن اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس سند میں ”رجل“، ”مبہم“ کی زیادتی موجود ہے، یہ بلا ریب و شک ”المزید فی متصل الاسانید“ ہے۔ خالد الخداع کا ابوالعالیہ سے سماع کی تصریح کرنا تو درکنار، سماع ہی ثابت نہیں، لہذا سند ”ضعیف“ ہے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اعتذار

السنة شمارہ نمبر ۳، صفحہ نمبر ۳۶، سطر نمبر ۴ پر سیدہ صفیہ کی جگہ حصہ چھپ گیا ہے۔
اسی طرح صفحہ نمبر ۴۴، سطر نمبر ۱۴ پر عِدَّةُ الْمُخْتَلَعَةِ حِيضَةٍ کا ترجمہ کمپوزنگ کی غلطی سے ”خلع والی کی عدت ایک حیض ہے“ کے بجائے ”حائضہ کی عدت ایک حیض ہے“ چھپ گیا ہے۔
قارئین سے گزارش ہے کہ تصحیح فرمائیں۔
ناشر

☆☆.....☆☆.....☆☆

قارئین کے سوالات غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

① کیا ”نہج البلاغہ“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے؟

جواب: ”نہج البلاغہ“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی منسوب کتاب ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو (علی بن الحسین العلوی الحسینی المتکلم الرافضی المعروف الشریف المرتضی) المتهم بوضع کتاب نهج البلاغة، وله مشاركة قوية في العلوم، ومن طالع كتابه نهج البلاغة جزم بأنه مكذوب علی أمير المؤمنين علی رضی اللہ عنہ، ففيه السب الصراح والخط علی السیدین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، وفيه من التناقض والأشياء الرکیكة والعبارات التي من له معرفة بنفس القرشیین الصحابة وبنفس غیرهم ممن بعدهم من المتأخرین جزم بأن الكتاب أكثره باطل.

”یہ (علی بن حسین علوی، حسینی، متکلم، رافضی، المعروف الشریف المرتضی) کتاب نہج البلاغہ گھڑنے کے ساتھ متم ہے، اس کے پاس علوم کی بڑی مہارت تھی، جو اس کی کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کرتا ہے، یقین کر لیتا ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہے، کیونکہ اس میں سیدین، یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر واضح طعن و تشنیع موجود ہے، نیز اس میں تناقض اور ایسی کمزور باتیں ہیں کہ قریشی صحابہ اور دیگر متاخرین کی سیرت سے واقف شخص یقین کر لیتا ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ من گھڑت اور جھوٹا ہے۔“ (میزان الاعتدال: ۳/ ۱۲۴)

نیز لکھتے ہیں:

وقد اختلف فی کتاب نهج البلاغة المكذوب علی علی علیہ السلام هل هو وضعه أو وضع أخیه الرضی.

”اس بات میں اختلاف ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جھوٹی کتاب نہج البلاغہ اس نے وضع کی تھی یا اس کے بھائی الرضی کی گھڑت ہے۔“ (تاریخ اسلام: ۵۵۸/ ۹)

.....

② کیا روزِ قیامت ماں کے نام سے پکارا جائے گا؟

جواب: روزِ قیامت باپ کے نام سے پکارا جائے گا، جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ الغادر ينصب له لواء يوم القيامة ، فيقال : هذه غدره فلان بن فلان .

”بے شک دھوکا باز کے لیے روزِ قیامت ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا، یہ فلاں بن فلاں کے

دھوکے کا نشان ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲/ ۹۱۲، ح: ۶۱۷۸)

شارح بخاری ابنِ بطلال کہتے ہیں:

في هذا الحديث ردّ لقول من زعم أنّهم لا يدعون يوم القيامة آلا بأمّاتهم سترًا على آبائهم.... والدعاء بالآباء أشدّ في التعريف وأبلغ في التمييز .

”اس حدیث میں اس شخص کا رد ہے، جو گمان کرتا ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپوں پر پردہ پوشی

کی غرض سے صرف ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا، باپ کے نام سے پکارنا تعریف و تمیز میں زیادہ

مؤثر ہے۔“ (فتح الباری: ۱۰/ ۵۶۳)

تنبیہ:

ماں کے نام سے پکارے جانے کے بارے میں دو مندرجہ ذیل جھوٹی حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

☆۱ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يدعى الناس يوم القيامة بأمّاتهم سترًا من الله عزّ وجلّ عليهم .

”قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردہ پوشی کیے جانے کی وجہ سے اپنی ماؤں کے ناموں سے

پکارے جائیں گے۔“ (الکامل لابنِ عدی: ۱/ ۳۴۳)

تبصرہ:

اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ ابن الجوزی نے اس کو ”الموضوعات“ (۱۷۹۸) میں ذکر کیا ہے،

امام ابنِ عدی فرماتے ہیں:

هذا الحديث منكر المتن بهذا الاسناد ، واسحاق بن ابراهيم الطبري منكر الحديث .

”یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر متن والی ہے، اسحاق بن ابراہیم الطبری منکر الحدیث راوی ہے۔“

اسحاق بن ابراہیم الطبری کو امام ابن حبان (المجروحین: ۱/ ۱۳۷) نے ”منکر الحدیث جدا“ اور امام دارقطنی (الضعفاء: ۹۸) نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں: ”روی أحادیث موضوعة“ ”اس نے موضوع (من گھڑت) احادیث روایت کی ہیں۔“ (المدخل: ۱۱۹)

اس میں حمید الطویل ”مدلس“ بھی ہے، جو ”عن“ سے روایت بیان کر رہا ہے۔

☆ ۲ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَدْعُو النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِهِمْ (بِأَمْهَاتِهِمْ) اللَّالِي الْمَصْنُوعَةِ لِلْسَّيْطَانِي :** (۴۴۹/۲) ستراً منه على عبادہ .

”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کی پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔“ (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۱۲۴۲)

تبصرہ :

اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، اس میں اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک اور وضّاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) موجود ہے۔

حافظ بیہقی لکھتے ہیں: وفيه اسحاق بن بشر أبو حذيفة متروك .

”اس میں اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک راوی ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۳۵۹)

اس میں ابن جریج کی ”تدلیس“ بھی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وسنده ضعيف جداً ”اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے۔“

(فتح الباری: ۱۰/ ۵۶۳)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الحديث باطل ، والأحاديث الصحيحة بخلافه ، قال البخاري في صحيحه : باب ما يدعى الناس يوم القيامة بأبائهم ، ثم ذكر حديث : ينصب لكلّ غادر لواء يوم القيامة بقدر غدرته ، فيقال : هذه غدره فلان بن فلان . وفي الباب أحاديث أخرى غير ذلك .

”یہ حدیث باطل ہے، نیز صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (بخاری:

۹۱۲/۲ ح: ۶۱۷۸) میں باب قائم کیا ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا،

پھر یہ حدیث پیش کی ہے کہ قیامت کے دن خائن کے لیے ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کی خیانت ہے۔ اس بارے میں اور بھی کئی احادیث موجود ہیں۔“ (المنار المنیف لابن القيم: ۱۳۹)

فائدہ :

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 انکم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم ، فأحسنوا أسمائكم .
 ”تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہذا اپنے نام اچھے رکھا کرو۔“
 (مسند الامام احمد: ۵/ ۱۹۴، سنن ابی داؤد: ۴۹۴۸)

تبصرہ :

اس کی سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، امام ابوداؤد خود فرماتے ہیں:
 ابن أبي زكريا لم يدرک أبا الدرداء ”ابن ابی زکریا نے ابوالدرداء کا زمانہ نہیں پایا۔“
 امام ابو حاتم لکھتے ہیں: عبد اللہ بن ابی زکریا لم یسمع أبا الدرداء . ”عبداللہ بن ابی زکریا نے
 سیدنا ابوالدرداء سے سماع نہیں کیا۔“ (المراسیل: ۱۱۳)

حافظ بیہقی کہتے ہیں: هذا مرسل ، ابن أبي زكريا لم یسمع من أبي الدرداء .
 ”یہ مرسل (منقطع) حدیث ہے، ابن ابی زکریا نے ابوالدرداء سے نہیں سنا۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۰۶/۹)
 لہذا امام ابن حبان (۵۸۱۸) کا اس حدیث کو ”صحیح“، حافظ نووی (الاذکار: ص ۲۵۵) کا اس کی سند کو ”جید“ اور
 حافظ ابن قیم (تحفة المودود: ص ۸۱) کا اس کی سند کو ”حسن“ کہنا صحیح نہیں ہے۔

③ کیا حاملہ کو حیض آ سکتا ہے؟

حاملہ عورت حائضہ نہیں ہو سکتی، جیسا کہ:

☆۱ حدیث ہے، کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی، تو عمر رضی اللہ
 عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا:
 مَرَّةً فَلْيُرْاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُطْلِقْهَا طَاهِرَةً أَوْ حَامِلًا .

”اے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے، پھر طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔“

(صحیح بخاری: ۵۲۵۱، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، واللفظ لہ)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آ سکتا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کو طہر کے قائم مقام کیا ہے، اگر حمل میں بھی حیض آ سکتا، تو حیض میں طلاق کو منع قرار دے کر حمل میں طلاق دینے کے حکم کا کیا معنی؟

☆۲ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إِذَا رَأَتْ الْحَامِلَ الصَّفْرَةَ تَوَضَّأَتْ وَصَلَّتْ، وَإِذَا رَأَتْ الدَّمَ اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتْ، وَلَا تَدْعُ الصَّلَاةَ عَلَى كُلِّ حَالٍ .

”جب حاملہ زرد رنگ کا پانی دیکھے، تو وضو کر کے نماز پڑھے، اور جب خون دیکھے، تو غسل کر کے نماز پڑھے، کسی بھی صورت میں نماز نہیں چھوڑ سکتی۔“

(مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۷، الأوسط لابن المنذر: ۲/۲۲۹، وسندہ حسن)

تنبیہ!.....

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے مخالف ایک ضعیف روایت بھی آتی ہے:

قال ابن المنذر: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ لَهْيَةَ وَاللَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ بَكِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أُمِّ عِلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَنْ الْحَامِلِ تَرَى الدَّمَ أَتَصَلِّي؟ قَالَتْ: لَا تَصَلِّي حَتَّى يَذْهَبَ الدَّمُ.

”آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر حاملہ کو خون آئے تو نماز پڑھے گی؟ آپ نے فرمایا: خون ختم ہونے تک نماز نہیں پڑھے گی“ (الأوسط لابن المنذر: ۲/۲۳۹، ۲۴۰)

یہ روایت بلحاظ سند ”ضعیف“ ہے، عبد اللہ بن وہب المصمری نے ”تدلیس عطف“ کی ہے، چنانچہ اپنے پہلے شیخ ”ابن لہیعہ (جو کہ ضعیف مدلس ہیں) سے سماع کی تصریح کی ہے، جبکہ دوسرے شیخ لیث بن سعد کو عطف کے ذریعے ان سے ملا دیا ہے۔

محدثین کے ہاں ایسی صورت میں مدلس راوی کا دوسرے شیخ سے سماع ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ جن سے سماع کی صراحت ہے، وہ خود ضعیف و مدلس ہیں اور ”عن“ سے بیان کر رہے ہیں، جبکہ لیث بن سعد ”ثقة“ ہیں، لیکن ان سے سماع کی صراحت نہیں، لہذا یہاں تدلیس عطف مؤثر ہے۔

فائدہ:.....

اس روایت کی راویہ اُمّ علقمہ ”صدوقہ“ اور حسۃ الحدیث“ ہے، اس کو امام بخاری (۵۲۵)، امام ابن حبان، امام

حاکم (۴۸۸/۱) وغیرہ نے ”ثقة“ قرار دیا ہے۔

☆۳ امام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ امام حکم بن عتیہ نے حاملہ کو آنے والے خون کے بارے میں فرمایا:

لیس بشیئ۔ ”یہ کچھ بھی نہیں۔“ اور حماد بن ابی سلیمان فرماتے ہیں:

ہی بمنزلة المستحاضة۔ ”ایسی عورت مستحاضہ کے حکم میں ہے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۱۲، وسندہ صحیح)

☆۴ امام جابر بن زید (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۱۲، وسندہ حسن)، سلیمان بن لیث (مصنف ابن ابی

شیبہ: ۲/۲۱۲، مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۷، وسندہ صحیح)، عطاء بن ابی رباح (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۶، وسندہ

صحیح)، سعید بن مسیب (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۶، وسندہ صحیح)، امام احمد بن حنبل (مسائل احمد لأبی داؤد:

۲۵)، ابن المنذر (الأوسط: ۲/۲۴۷) اور امام ابو عبید وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

تنبیہ!.....

امام زہری (مؤطا امام مالک، وسندہ صحیح)، مجاہد (دارمی: ۹۶۲، وسندہ صحیح)، عکرمہ (دارمی: ۹۶۳، وسندہ

صحیح)، بکر بن عبداللہ المزنی (دارمی: ۹۶۷، وسندہ صحیح)، قتادہ (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۱۶، وسندہ صحیح) کا

مذہب ہے کہ حاملہ کو حیض آسکتا ہے، واضح رہے کہ یہ بے دلیل مذہب ہے۔

الحاصل:.....

حاملہ عورت کو حیض نہیں آسکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے طلاق کی بحث میں غیر حاملہ کی عدت تین

حیض بیان کی ہے، جبکہ حاملہ کی وضع حمل، اگر حاملہ کو بھی حیض آسکتا ہوتا، تو اس کی عدت بھی تین حیض مقرر کر

دی جاتی۔

نکاحِ حلالہ زنا ہے! غلامِ مصطفیٰؐ ظہیرِ امن پوری
اسلام دینِ فطرت اور مکمل نظامِ زندگی ہے، اس نے جہاں باقی شعبہ جات میں انسان کی مکمل رہنمائی کی،
وہاں شعبہٴ معاشرت میں بھی تحفظِ عفت و عصمت کے لیے قانونِ نکاح کی پذیرائی کی، اس شعارِ اسلام نے
انسانیت کو زندگی کی دلدل سے نکال کر بندگی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا، لیکن افسوس کہ بعض دشمنانِ دین و عقل
نے حلالے جیسی لعنت کے ذریعے محافظانِ عزت کو پھر راہزن کر دیا، حلالہ ایک بدترین بے حیائی ہے، اس پر
دلیل ہماری یہ خامہ فرسائی ہے:

دلیل نمبر ۱:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:
لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ .
”رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، دونوں مردوں پر لعنت
فرمائی ہے۔“

(مسند الامام احمد: ۲/ ۳۳۳ البزار (كشف الاستار: ۱۴۴۲)، مسند اسحاق و مسند ابی یعلیٰ

(نصب الراية: ۲۴۰/۳)، السنن الكبرى للبيهقي: ۷/ ۲۰۸ المتفق للخطيب: ۱۷۰۵)

یہ حدیث ”حسن“ ہے، امام ابن الجارود (۶۸۴) نے اس کو ”صحیح“ اور امام بخاری نے ”حسن“ کہا ہے۔

(التلخیص الحبیبر: ۱۷۰/۳ العلل للترمذی: ۱/ ۴۳۷)

امام زبیلی حنفی لکھتے ہیں: الحديث الصحيح . ”یہ حدیث صحیح ہے۔“ (نصب الراية: ۲۴۰/۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: رواه موثقون . ”اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔“

(الدراية: ۷۳/۲)

دلیل نمبر ۲:

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا: بلى يا رسول
الله! قال: هو المحلل، لعن الله المحلل والمحلل له .

”رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں کرائے کے سائڈھ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ

نے عرض کی، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا مرد ہے، اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا گیا، دونوں مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۰۸/ ۷، المستدرک للحاکم: ۱۹۸-۱۹۹)

اس حدیث کی سند ”حسن“ ہے، امام حاکم نے اس کو ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی نے ”صحیح“ کہا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: جاء رجل الى ابن عمر رضى الله عنها فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثاً، فتنوّجها أخ له من غير مؤامرة منه، ليحلّها لأخيه، هو تحلّ للأول؟ قال: لا، ألا نكاح رغبة، كنّا نعدّ هذا سفاحاً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

”ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر اس سے مشورہ کیے بغیر اس کا بھائی حلالے کی نیت سے اس عورت سے نکاح کرتا ہے، کیا اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا، نہیں، (دوسرے) صرف (دامی) آبادی کی نیت سے نکاح کرنا (صحیح ہے)، ہم اس (حلالہ) کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بدکاری شمار کرتے تھے۔“

(المستدرک للحاکم: ۱۹۹/ ۲، ح: ۲۸۰۶، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۰۸/ ۷)

اس کی سند ”صحیح متصل“ ہے، امام حاکم نے اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے اور حافظ ذہبی نے

ان کی موافقت کی ہے، حافظ بیہقی کہتے ہیں: و رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۴/ ۲۶۷)

اللہ اور اس کے رسول تو حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، دونوں کو ملعون قرار دیں، لیکن ایک خفی نے اللہ کی گرفت سے بے خوف و خطر ہو کر یہاں تک کہہ دیا: لعل اراد اللعنة بالرحمة.

”ہو سکتا ہے کہ یہاں لعنت سے مراد رحمت ہو۔“ (مستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱۲۶، طبع دہلی)

حلالہ محدثین عظام کی نظر میں

☆ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نکاح حلالہ کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

إذا تزوّج الرجل المرأة ليحلّها، ثمّ بدّل له أن يمسكها، فلا يحلّ له أن يمسكها، حتّى

يتزوّجها بنكاح جديد.

”اگر کوئی مرد کسی عورت سے حلالے کی نیت سے نکاح کرے، پھر اسے (مستقل طور پر) اپنے پاس رکھنے

کا ارادہ کر لے تو نیا نکاح کیے بغیر اس عورت کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔“ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۱۲۰)

☆ جارود بن معاذ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ نے حلالے کو ملعون فعل

قرار دیتے ہوئے فرمایا: ینبغی أن یرمی بهذا الباب من قول أصحاب الرأی .

”اس بارے میں اصحاب الرائے (احناف) کی بات (نکاح حلالہ کے جواز) کو (کوڑے کی ٹوکری

میں) پھینک دینا چاہیے۔“ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۱۲۰، وسندہ صحیح)

☆ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وبه يقول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وأحمد واسحاق

”امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم

اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے (کہ حلالہ ملعون فعل ہے)۔“ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۱۲۰)

حلالہ بعد والے مسلمانوں کی نظر میں

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نکاح المحلل شر من نکاح المتعة ، فإن نکاح المحلل لم

یصح قط ، فهو یثبت العقد لیزيله ، وهذا لا یكون مشروعاً بحال .

”حلالہ کرنے والے کا (عارضی) نکاح متعہ سے بھی بدتر ہے، کیونکہ نکاح حلالہ (اسلام کے) کسی دور میں

بھی جائز نہیں ہوا، حلالہ کرنے والا عقد نکاح اس لیے باندھتا ہے کہ (بعد میں) اسے ختم کر دے گا اور یہ عارضی

نکاح کسی صورت میں بھی درست نہیں۔“ (مجموع الفتاویٰ: ۳۲/ ۱۰۸)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو جائز قرار دینے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأما فی هذه الأزمان التي قد شكت الفروج فيها الى ربها من مفسدة التحليل ، وقبح ما

یرتکبه المحللون مما هو رمد بل عمی فی عین الدین وشجی فی حلق المؤمنین ، من قبائح

تشت أعداء الدین به ، وتمنع کثیرا ممن یرید الدخول بسببه ، بحيث لا یحیط بتفاصيلها

خطاب ، ولا یحصرها کتاب ، یراها المؤمنون کلهم من أقبح القبائح ، وبعدونها من أعظم

الفضائح ، قد قلبت من الدین رسمه ، وغیرت منه اسمه ، وضخم التیس المستعار فيها المطلقة

بنجاسة التحليل ، وقد زعم أنه قد طیبها للتحليل ، فیا لله العجب ! أتى طیب أعارها هذا التیس

الملعون؟ وأتى مصلحة حصلت لها ولمطلقها بهذا الفعل الدون .

”موجودہ دور میں عزتیں حلالے کی قباحتوں اور حلالہ کرنے والوں کی فضاحتوں پر اپنے رب کے دربار میں شکایت کناں ہیں، یہ فعل شنیع دین اسلام کی آنکھ کا تنکا اور مومنوں کے گلے کا کاٹنا بن چکا ہے، ایسی کاروائیاں دشمنان اسلام کو ہنسائی اور اس کے قریب آنے والوں کو دور لے جاتی ہیں، نہ کوئی تقریر ان مفسد کو الفاظ میں سمیٹ سکتی ہے اور نہ کوئی تحریر ان خرابیوں کو اوراق میں لپیٹ سکتی ہے، تمام مومن اس حلالے کو چوٹی کی قباحت اور انتہاء کی فضاحت سمجھتے ہیں، اس نے دین کا نام تبدیل اور اس کا ڈھانچا تحلیل کر دیا ہے، کرائے کا یہ سائنڈ پاک عورت کو اس حرامے کی نجاست میں لت پت کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے اسے خاوند کے لیے حلال کر دیا ہے، وائے تعجب! اس گھٹیا کرتوت سے مطلقہ عورت اور اس کے خاوند کے لیے اس کمینے نے کونسا کمال کر دیا ہے؟“ (اعلام الموقعین: ۵۲۳-۵۳)

نیز لکھتے ہیں: ثم سل من له أدنى اطلاع على أحوال الناس: كم من حرّة مصونة انشب فيها المحلل مخالب ارادته فصارت بعد الطلاق من الأخدان و كان بعلها منفردا فاذا هو والمحلل ببركة التحليل شريكان؟ فلعمر الله! كم أخرج التحليل مخدرة من سترها الى البغاء، وألقاها بين برائن العشراء والحرفاء .

”ان لوگوں سے پوچھ کر تو دیکھو، جنہوں نے حالاتِ حاضرہ کی طرف تھوڑا سا بھی دھیان کیا کہ کتنی عفت مآب و شیرازوں کو ان سائنڈھوں نے اپنے ناپاک عزائم کے پنچے گاڑ کر لہو لہاں کیا، چنانچہ طلاقِ حلالہ کے بعد بھی دونوں نے باہم شناسائی رکھی اور اس حرامے کی برکت سے اصل خاوند کے ساتھ ساتھ اس سائنڈھ نے بھی عورت تک رسائی رکھی، بخدا اس فبیج فعل کی وجہ سے کتنی ہی پردہ نشین عورتیں بغاوت پر آمادہ ہیں اور ان لوگوں کے چنگل میں پھنس چکی ہیں جو فاشی و عریانی کے دلدادہ ہیں۔“ (اعلام الموقعین: ۵۴۳-۵۵)

جناب شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں: وأيضا فيه وقاحة واهمال غيرة وتسويغ ازدحام على الموطونة من غير أن يدخل في تضاعيف المعاونة، نهى عنه .

”اس (حلالے) میں بے غیرتی و بے حیائی موجود ہے، (اس طرح کہ اس سے) ’ایک عورت کئی خاوند‘ کے نظریے کی حمایت ہوتی ہے، حالانکہ یہ نیکی کے کام میں تعاون کے زمرے میں بھی نہیں آتا، لہذا اس سے منع کر دیا گیا۔“ (حجة الله البالغة: ۱۳۹/۲)

عدل ہو تو ایسا! حافظ ابو یحییٰ نور پوری

موسیٰ اور اس کے ساتھی بکریاں چرواہے تھے، بکریاں تو لوگ آج بھی چرواتے ہیں، لیکن ان کے چروانے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ بکریاں اور بھیڑیے اکٹھے چر رہے تھے، پھر کوئی بھیڑ یا کسی بکری پر حملہ نہیں کر رہا تھا، حالانکہ بھیڑیے تو بکریوں کو دیکھتے ہی پھاڑ کھاتے ہیں، لیکن اب حالات بدلنے والے تھے، ایک رات اچانک ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا، وہ سب حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا، یہ بات تو ان کی سوچ سے بھی باہر تھی، البتہ موسیٰ بن اعدن کا روشن دماغ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا، وہ کہنے لگا، جس کے عدل و انصاف کی برکت سے انسان ہی نہیں بھیڑیے بھی مہذب بن گئے تھے، محسوس ہوتا ہے کہ وہ مردِ عادل آج اس دنیا میں نہیں رہا، تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ واقعی وہ انصاف کا پیکر دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی: ۲۵۵/۵، وسندہ حسن)

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شخصیت کون تھی؟ چلیں آپ کو بتا دیتے ہیں، یہ وہ ہستی ہے جسے لوگ ”فاروق ثانی“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، آپ کا نام عمر تھا، سلسلہ نسب یوں تھا:

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ القرشی۔

یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تخلیق ہی اسی اعلیٰ مقصد کے لیے کی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے بعد دنیا میں عدل و انصاف کی ایک انوکھی مثال قائم کی۔

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جن اسلاف کے آپ جانشین تھے، انہوں نے بعد والوں کے لیے سبق ہی یہی چھوڑا تھا، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت ہی دیکھ لیں، آپ کی زندگی عدل و انصاف کا مرقع نظر آتی ہے، جس احسن انداز سے آپ نے حکمرانی کی ذمہ داری نبھائی، وہ محتاج بیان نہیں، اپنے بیگانے سب اس کے معترف ہیں، ہم صرف ان کے وقتِ رخصت کا ایک واقعہ بیان کئے دیتے ہیں:

”عمر بن میمون کہتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کو وار کر زخمی کیا گیا اور دنیا میں آپ کا آخری دن تھا، آپ نے اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا، دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟ حساب کیا گیا تو تقریباً ۸۶ ہزار تھا، فرمایا، میرے خاندان والوں کے پاس اتنا مال ہو تو درست ورنہ قریبی رشتہ داروں سے مانگ کر پورا کرو اور بیت المال میں جمع کروادو۔

ذرا غور کیجیے کہ اتنی انصاف پسندی کے باوجود بھی جب آپ کو کہنے والے نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ خوش بخت ہیں، پہلے آپ کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا، پھر اسلام میں مرتبہ و مقام ملا، پھر خلافت ملی تو آپ نے عدل و انصاف کی روایت قائم کی، پھر اب آپ کو شہادت ملنے والی ہے، آپ نے فرمایا، تم اس سب کچھ کو بہت عظیم عمل سمجھتے ہو، میں تو چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ میری نجات کے لیے ’گزارا‘ بن جائے، ڈر ہے کہ کہیں میرے لیے وبال نہ جائے!“ (صحیح بخاری: ۳۷۰۰)

یہ تو تھے ہمارے اسلاف! لیکن اگر آج کے حکمرانوں کی بداعتدالیوں اور عیش و عشرت پر نظر دوڑائی جائے تو حیرانی سے روٹکے کھڑے ہو جاتے ہیں، آج کے حکمران حکومت کو ایک نہایت نفع بخش کاروبار سمجھ کر لوٹ کھسوٹ کی ساری حدیں عبور کر جاتے ہیں، ہر حکمران اپنے دور حکومت میں قوم کا مال دونوں ہاتھوں سے لوٹتا اور دنیا کے امیر ترین اشخاص کی لسٹ میں شامل ہو کر واپس جاتا دکھائی دیتا ہے۔

ادھر ہمارے اسلاف کی اتنی سادگی اور انصاف پسندی کی برکت سے پوری دنیائے انسانیت نہیں، بلکہ دنیائے حیوانیت بھی ان سے لرزتی تھی اور ادھر ہمارے آج کے حکمرانوں کی عیش پرستیوں اور بدعنوانیوں کی نحوست سے مسلمان غیروں کے غلام بن چکے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر شاعر کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

ہے آج بھی کوئی حکمران جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے عدل و انصاف کو اپنا طیرہ بنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بن جائے اور دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی کو اپنا مقدر بنا لے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله : الامام العادل

”سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک عدل و انصاف کرنے والا حکمران ہوگا۔۔۔“

(صحیح بخاری: ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

☆☆.....☆☆.....☆☆

سلسلہ تعارفِ تفاسیر و مفسرین تحریر: الشیخ محمد حمود النجدی ترجمہ: حافظ ابن نذیر قصوری

تفسیر البغوی (م ۵۱۰ھ)

مفسر کا نام: — الحافظ الامام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود۔ ”القرءاء، البغوی“ سے معروف ہیں۔

تفسیر کا نام: — معالم التنزیل

تفسیر ہذا کی عمومی خصوصیات: —

آیت کی تفسیر آسان اور مختصر الفاظ میں کرتے ہیں، دراصل یہ تفسیر ثعالی کا اختصار ہے، البتہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: ”انہوں نے اپنی تفسیر کو بدعتی لوگوں کے اقوال اور احادیث موضوعہ سے پاک رکھا ہے۔“ (مقدمۃ فی اصول التفسیر ص ۷۶)

آپ تفسیر میں سلف کا اختلاف تو ذکر کرتے ہیں، لیکن کسی روایت کو ترجیح نہیں دیتے۔

عقیدہ: — آپ سلفی عقیدے کے حامل ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وہ تمام اسماء و صفات ثابت کرتے ہیں، جو اس نے اپنے لیے ثابت کی ہیں، یہ بات ان کی شاندار کتاب ”شرح السنۃ“ کے مقدمہ سے بھی واضح ہوتی ہے، ان کی تفسیر میں بھی عموماً ان صفات کا اثبات ہے، البتہ ان سے بعض صفات میں تاویل ہوئی ہے، صفت رحمت کو ارادہ خیر (دیکھیں انکی تفسیر: ۱۸/۱)، صفت حیاء کو ترک و منع (المعالم: ۴۳/۱) اور صفت غضب کو ارادہ انتقام (المعالم: ۲۳/۱) سے تعبیر کیا ہے۔

استنادی اہتمام: — امام بغوی رحمہ اللہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے سلف سے منقول روایات عموماً بلا

اسناد بیان کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس تفسیر کے مقدمے میں ان کی اسانید ذکر کر دی ہیں، آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایات کی صحت کا ذکر اہتمام سے کرتے ہیں اور منکرو موضوع روایات سے بچتے ہیں، البتہ بعض اوقات کبھی جیسے ضعیف روایوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔

فقہی مسائل: — فقہی مسائل کو آسان طور پر بیان کرتے ہیں اور اختلاف کا ذکر اختصاراً کرتے ہیں۔

اسرائیلی روایات میں آپ کا اسلوب: — بعض اوقات اسرائیلیات بیان کر جاتے ہیں، لیکن

ان کی تحقیق نہیں کرتے۔

شعر، لغت اور نحو: — مباحث ترکیب اور لطائف بلاغت میں طوالت سے اجتناب برتتے ہیں

اور صرف وہ باتیں پیش کرتے ہیں، جو آیت کے معانی کی وضاحت کے لیے اہم ہوتی ہیں۔

www.AhleSunnatPk.com